نایاب جیلانی

مقدر مرے دل کا

نایاب جیلانی

مقدر سے دل

داناؤں کا قول ہے "محبت محض ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا نام نہیں' بلکہ ایک ہی سمت میں دیکھنے کا نام ہے۔ جہاں دیکھا' بس وہیں دیکھا' جسے چاہا' بس اسی کو چاہا۔ جسے سوچا' بس اسی کو سوچا' جس سے محبت کی بس اسی سے محبت کی۔ سمتیں بدلنے والے' راہیں بدلنے والے' جزیرے بدلنے والے اور جگہ جگہ پڑاؤ ڈالنے والے بھلا محبت کی رمزوں کو سمجھ سکتے تھے؟"

اسے جرمین دستانیکل کا ایک اور قول بھی یاد آرہا تھا۔

"پیار ابدیت کا علم ہے۔ یہ وقت کے ہر احساس کو خلط ملط کردیتا ہے۔ آغاز کی ہر یاد کو مٹادیتا ہے اور انجام کے ہر خوف کو ختم کردیتا ہے۔"

مگر چونکہ یہ کتابی باتیں تھیں اور حقیقی زندگی میں ان پر عمل کرنا خاصا مشکل ترین امر تھا اور پھر ویسے بھی اس واہیات' بے ہودہ اور انتہائی پھیچڑی سی محبت نے ایک طویل عرصے تک اس کی انا' وقار اور عزت نفس کو تھپک تھپک کر گہری نیند سلائے رکھا تھا۔ مگر اس نازک گھڑی میں جب اس کی بے ہوش انا اپنے حواسوں میں آچکی تھی اور وہ ببانگ دہل جگہ جگہ کھڑے ہو کر اعلان کرتی پھر رہی تھی کہ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔

تب سب سے پہلے اس کی لاڈلی' دلاری نازک اندام تھوڑی کھلی' تھوڑی سیانی بھابھی نیند بھری آنکھوں کو مسلتی ہڑبڑاتی اسے کچن میں تلاش کرتی اس کی گردن تک پہنچ ہی گئی تھی۔

"وہ آگیا ہے۔ یعنی کچے دھاگے سے بندھے

ناولٹ

"سرکار چلے آئے ہیں۔"

چونکہ سرکار کو کچے دھاگے سے نہیں فون کے تار سے کھینچ کر بلایا گیا تھا اور اس کامیابی کا سہرا اکلوتی بھابھی اور مائکہ کے سر بندھتا تھا۔ سو وہ اپنی تعریفوں میں رطب اللسان ہو چکی تھی۔ مگر نازک اندام بھابھی کی چلتی زبان کو بریک تب لگے تھے جب اکلوتی نند صاحبہ نے شعلہ فشاں نگاہوں سے گھورتے ہوئے مختلف اخباروں' جرائد اور رسائل میں سے چوری کیے مختلف اقوال ایک کے بعد ایک سنانا شروع کر دیے تھے' تب بھابھی نے ایک بلند چیخ کے ساتھ دونوں ہاتھ اس کی آنکھوں کے سامنے جوڑ دیے تھے۔

"آپ خدا کے واسطے! یہ مت بتانا مجھے' محبت عورت کی زندگی کی تاریخ ہوتی ہے اور مرد کی زندگی کا محض ایک واقعہ' یہ بھی جرمن دستائیل کا قول ہے اور میں نے خود پچھلے مہینے کسی پرانے جریدے میں پڑھا تھا۔"

اپنی دلاری بھابھی کے منہ سے پھر کتنا سچ سن کر اس کی آنکھیں ابل پڑیں۔ تب اس کا دھیان بٹانے کے لیے اور اپنے اندر کا زہر اگلنے کے لیے اس نے انتہائی غیض سے کہا۔

"بھاڑ میں جائیں سارے اقوال۔ ذرا اپنے اور میرے دشمن کو بتا آؤ۔ میں دس ماہ پہلے جوڑے گئے اس رشتے کو خود توڑ رہی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

باؤنڈری وال کے ساتھ ساتھ اونچے' بلند اور گھنے درخت کسی شان سے کھڑے تھے۔ جن کے چمکتے پتوں پر نرم نرم چاندنی ٹہل رہی تھی۔ جب کوئی ننھا سا سفید بگولا مہتاب سے شرارت کرتا تو نرم نرم چاندنی سوسی کی اوٹ میں جا چھپتی۔

ایسی قیمتی گھڑیاں قدر بیش بہا ہستی چاندنی میں ڈوبی رات۔ کبھی کبھی میسر آتی تھی۔ یہاں کوئی ایسا دن نہیں گزرتا تھا جب بارش نہ ہوتی ہو۔ جس دن بارش نہیں ہوتی تھی۔ اس دن وہ لوگ۔ ہر ونگ میں اودھم مچاتے تھے۔ یہاں بارش نہ ہونے پر بھی لطف اندوز ہوا جاتا تھا۔

بائیں ونگ کی بالکونی میں کھڑے ہو کر اس حسین طلسماتی رات سے محظوظ ہونے کے بجائے واحد کی دروازے کے سائن بورڈ کو کچکچاتی نظروں سے گھور رہا تھا۔ بورڈ پر لکھے لفظ واحد سلطان کو احساس دلا دیتے تھے کہ وہ فکر کمار کی اس وادی میں ہنی مون منانے فیملی ٹرپ کے ساتھ نہیں آیا۔ وہ یہاں حصول علم کے لیے آیا ہے بلکہ زبردستی بھیجا گیا ہے۔ وہ اس سینٹرل جیل میں کبھی نہ آتا اگر اس کی پیاری ماں زندہ ہوتی یا شفیق باپ پردیس جا کر ڈالر نہ کما رہا ہوتا۔ اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ اسے ایک ہٹلر ٹائپ چاچی اور انتہائی پڑھاکو چاچو کے زیر تربیت رہنا پڑا تھا۔

عماز چاچو بس نام کے ہی میاں تھے۔ اسی طرح سمیعہ چاچی۔ جن کو وہ ان کے چاروں لائق فائق بیٹوں اور اکلوتی انتہائی افلاطون بیٹی آئمہ کی طرح ممی ہی کہا کرتا تھا' بالکل اسم با مسمیٰ تھیں۔ انتہائی بلند و بالا خیالات کی مالک بہت عمدہ ترین ذہن رکھنے والی بہت اعلا و ارفع اور اونچی قسم کی سوچ کی حامل' بے حد عالم فاضل اور قابل ترین ہستی تھیں۔ پھر ان کے چاروں بیٹے احد' ودید' موحد اور واحد بھی کمال کے لائق فائق بچے تھے۔ پھر آئمہ کے بھی کیا ہی کہنے تھے۔ جب سے پیدا ہوئی تھی کتابیں گھول گھول کر پینے کے علاوہ اسے کوئی اور دوسرا کام نہیں تھا۔ وہ احد اور ودید سے چھوٹی جبکہ موحد اور واحد سے بڑی تھی۔ اسی طرح وہ ڈیڑھ سال واحد سے بھی بڑی تھی مگر خود کو واحد سے دس سال بڑا سمجھتی تھی۔ اپنے چھوٹے اور بڑے بھائیوں کی رہبر' رہنما تو تھی ہی واحد کی رہنمائی کے لیے بھی مری جاتی تھی۔

واحد کو پورا یقین تھا وہ مستقبل میں انتہائی بھیانک "استانی" کے روپ میں سامنے آنے والی تھی۔ جبکہ آئمہ کے خیالات بھی واحد کے لیے کچھ مختلف نہیں

تھیں۔ وہ اسے مستقبل کا مکینک کہتی تھی۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔ واحد گاڑیوں کے چھوٹے موٹے کام سے لے کر گھر کی موٹروں کی خرابی تک ٹھیک کر لیتا تھا۔ تاہم اس کے ہنر پر فخر کرنے کے بجائے سمیعہ چچی اور آئمہ دونوں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتی تھیں۔ دراصل وہ سمجھتی تھیں وہ اپنے کیریر کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ ان کے اپنے بچوں کی طرح ہر وقت کتابوں میں سر دیے نہیں رکھتا' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ لائق یا ذہین نہیں تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک اس کا تعلیمی ریکارڈ بہترین تھا مگر پھر بھی ممی کے نزدیک وہ کافی نالائق اور لاپروا لڑکا تھا۔ در پردہ اسے نہ صرف ممی بلکہ اکلوتے چاچو سے بھی بہت شکوے تھے' سو یہی وجہ تھی ممی کی طنزیہ گفتگو' دل جلانے والی باتوں کے باعث وہ مہینہ وار تعطیل پہ بھی لاہور اپنے گھر جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ لوگ گھر خوشی خوشی جایا کرتے تھے۔ ہفتہ پہلے ہی تیاریاں شروع کر دیتے تھے اور ایک واحد سلطان تھا جس کے لیے گھر کا تصور ہی محال تھا۔

گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ چلنے والی ممی کے منظم ماحول کو لبرٹی کرنے کا معمولی سا جرم بھی ایک بڑی سزا سے کم نہیں ہوتا تھا۔ ممی تو اپنے ڈاکٹر بیٹے تک کو اصول توڑنے کے جرم میں بے بھاؤ کی سنا دیتی تھیں' پھر ودید اور واحد کو تو ابھی بھی ممی شرارتیں کرنے' گھر سے باہر زیادہ وقت گزارنے اور رات دیر تک بغیر وجہ جاگنے پر جوتے سے دھلائی کروایا کرتی تھیں۔ اکثر نہ صرف ان کا کھانا بند کر دیتی تھیں۔ بلکہ جیب خرچ بھی کھینچ لیا جاتا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک واحد ممی کے کئی طرح کے مظالم کا شکار ہوا تھا۔ اپنے اصولوں پہ وہ کبھی بھی سمجھوتا نہیں کرتی تھیں۔ سو واحد کا بچپن ممی کے اصولوں' قاعدوں اور بلاوجہ کے قوانین کی نذر ہو گیا تھا۔ ممی اپنے بچوں کے لیے تو ایک سخت گیر ماں تھیں ہی مگر بن ماں کے اس معصوم بچے پر بھی انہوں نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ ڈالے تھے۔ وہ سونے کا نوالہ کھلا کر جب شیر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ تب ان کا کھلایا ہوا سونے کا نوالہ بھی ابل کا باہر آ نکلتا تھا۔

واحد کی بدقسمتی کی شروعات تب ہوئی جب اس کی پیاری ماں اسے بہت کم سنی میں بلکتا چھوڑ گئی تھی۔ تب وہ ممی کی ہٹلر ٹائپ گود میں خود بخود منتقل کر دیا گیا تھا۔ اسے آج تک یاد نہیں پڑتا تھا۔ ممی نے کبھی اسے شفیق نظروں سے دیکھا ہو۔ انہیں شاید الہام ہو گیا تھا کہ اگر انہوں نے واحد کے ساتھ کم از کم نرمی کی تو وہ اتھرا گھوڑا' کبھی بھی قابو میں نہیں آسکے گا۔ وہ فطرتاً" شرارتی تھا' مگر یہ بہت بچپن کی بات تھی۔ ممی کے ظالمانہ' جابرانہ سلوک کے بعد تو اچھے اچھوں کے کس بل نکل گئے تھے۔ وہ تو پھر بے چارا سا واحد سلطان تھا۔ وہ فطری طور پر نہیں محض اس ظالمانہ سلوک کی بدولت خاصا اکھڑ اور بددماغ ہوتا چلا گیا تھا۔ پہلے وہ ممی کو شرارتوں سے زچ کیا کرتا تھا بعد میں اس نے ممی کو کچھ دوسرے ہتھکنڈوں سے تنگ کرنا شروع کر دیا تھا' جن میں سرفہرست اسکول سے ڈنڈی مارنا' بہانہ بنا کر چھٹی کرنا۔ یعنی ہفتے میں ایک آدھ دن اگر وہ اسکول چلا بھی جاتا تو واپسی میں اسے دوستوں سے ملاقاتوں کا خیال آجاتا۔ غرض وہ رات کو جب ممی کے خوف سے تھر تھر کانپتا گھر میں داخل ہوتا تو ممی اس کی ٹھیک ٹھاک دھنائی کر کے رکھ دیتی تھیں۔

یہ اور بات ہے کہ واحد جیسے ڈھیٹ پر کم ہی کسی بات کا اثر ہوتا تھا۔ ہر روز اس کی حرکتوں کے باعث گھر کا ماحول خراب ہوتا تھا' نہ وہ دوستیاں ترک کرتا تھا نہ باقاعدگی سے اسکول جاتا تھا۔ پھر بھی کلاس میں پہلی پوزیشن اسی کی ہوتی تھی۔ مگر ممی کو ایسی پوزیشن سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ سارا سال کھیل کود میں ضائع کر کے آخری دنوں میں رٹے مار کر پوزیشن لینے والے لوگ بھلا ممی جیسی لائق فائق ہستی کی نظر میں جگہ بنا سکتے تھے؟

ممی کا خیال تھا۔ وہ چاچو کے بے جا لاڈ پیار کی وجہ سے اتنا بگڑ چکا ہے کہ اسے کسی بورڈنگ کی سختیاں ہی

سدھار سکتی تھیں۔ سو اس کے پیروں میں ممی نے بیڑی ڈالنے کے لیے سیونتھ اسٹینڈرڈ کے بعد — یہ ظالمانہ حل سوچا تھا۔ اس کے امریکہ میں مقیم ڈیڈی سے باہمی مشاورت کے بعد اسے فیصل آباد خالہ کے گھر بھیجا گیا تھا۔ خالہ کے گھر بھی وہ تنہا نہیں آیا تھا۔ ممی یہاں بھی اس کے ہمراہ آئی تھیں۔ اپنی سلطنت کو وقتی طور پر اپنی پڑھاکو بیٹی اور سکینہ بی کے حوالے کرکے وہ واحد کے ساتھ تین' چار دن کے لیے فیصل آباد آئی تھیں۔ وہ جو خالہ کے گھر آنے پر بہت خوش تھا کہ خالہ صاحبہ کے تینوں لائق بیٹوں کے ساتھ خوب کھیلے کودے گا۔ کرکٹ کا میچ رکھے گا یا فیصل آباد کے بازار روندنے نکل جائے گا۔ سارے نادر و نایاب منصوبے اس وقت دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ جب ممی نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس نے انٹری ٹیسٹ کلیئر نہیں کیا تو اسے حسن ابدال بھیج دیا جائے گا۔ واحد کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس نے ممی کی توقع کے برعکس بہترین نمبروں سے انٹری ٹیسٹ پاس کرلیا۔ انٹرویو کے دوران بقول اس کے گروپ فیلوز جزائر اڈیمان کے صدر یعنی جنرل صاحب کو واحد سلطان نے اپنی حاضر جوابی' برجستگی اور بقول آئمہ کے چالاکی و مکاری کی بدولت متاثر کرلیا تھا۔ وہ تب سے لے کر اب تک۔ یعنی پانچ سال گزرنے تک جنرل صاحب کا بہت پسندیدہ رہا تھا۔

یہ انٹرویو اس کی کم سنی کا سب سے پہلا اور یادگار انٹرویو تھا۔ بورڈ کے ارکان نے واحد سے جتنے بھی سوال پوچھے تھے' سب اس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ آج تک جنرل صاحب کے ان غیر ضروری سوالات پر حیران ہوتا تھا۔ جنرل صاحب کچھ دیر کھوجتی نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد بڑی مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولتے تھے۔ یہ اس روایتی انٹرویو میں پہلا غیر روایتی سوال تھا۔

"ویری گڈ ڈے ٹو یو ینگ بوائے! میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔" جنرل صاحب نے پیپر ویٹ گھماتے ہوئے بڑی پیاری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ وہ بہت ہی حلیم' شفیق اور عمدہ اخلاق رکھنے والے ایڈمنسٹریٹر تھے۔

"کیا تم پڑھ لکھ کر ایک بڑا آدمی اور اچھا آدمی بن کر اپنے ڈیڈ کے پاس امریکا فلائی کر جاؤ گے؟" جنرل صاحب کا سوال عجیب نہیں تھا اور اپنے ڈیڈی کے پاس امریکا جانا اس کا بہت پرانا خواب تھا مگر اس نے کہا۔

"سر! میری پہلی ترجیح تو پاکستان ہی ہے۔" اس نے سنجیدگی کے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا' اس کے جواب نے کہاں تک بورڈ کے ارکان کو متاثر کیا تھا۔ تاہم انٹرویو کے اختتام پر اسے ایک سلپ ضرور مل گئی تھی اور اب تو پانچ سال گزرنے والے تھے۔

اگرچہ اس "پورٹ بلیر" میں قیدیوں جیسی لائف گزارنا کچھ آسان نہیں تھا مگر ممی کے خوف اور چاچو کے غیض سے گھبرا کر وہ یہاں رہنے کا پابند ہوگیا تھا۔ اس کے سارے دوست اونچے پہاڑوں پر موجود اس عظیم درس گاہ کو ہندوستان کا کالا پانی کہا کرتے تھے مگر اپنی زندگی کے یہ لازوال پانچ سال بھولنا دنیا کے کسی بھی کیڈٹ کے بس کا کام نہیں تھا۔

یہاں آتے ہوئے بھی رویا جاتا تھا اور جاتے ہوئے بھی رویا جاتا تھا۔

یہ بہرحال ممی کی قید سے بہتر تھا۔ گھر میں تو اگر کوئی وقت پہ ڈائننگ ٹیبل تک نہیں آپاتا تھا تو اسے دوبارہ کھانا نہیں دیتی تھیں۔ اسی طرح جو گھر میں دیر سے آتا' اسے پوری رات لان میں گزارنا پڑتی۔ ممی نے شروع سے انہیں اپنا اپنا کام کرنے کی عادت ڈالی تھی۔ جوتے پالش سے لے کر کپڑے استری کرنے تک۔ سو یہاں آکر واحد کو کچھ پرابلم نہیں ہوئی تھی۔ تاہم ممی کے حصار سے نکل کر زیادہ نہ سہی کچھ آزادی پاکر وہ تھوڑا مطمئن ضرور تھا' کیونکہ ممی کے علاوہ ان کی اکلوتی بیٹی کی خطرناک کلاسز یہاں کے بھیانک لیکچرار سے بھی زیادہ بری اور صبر کا امتحان تھیں۔

واحد سلطان کی عموماً" خواہش یہی ہوتی تھی کہ اسے گھر نہ جانا پڑے' لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ پرسوں اتوار کا دن تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی دل پر بھاری پتھر رکھ کے وہ لاہور جانے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرچکا تھا۔ مگر یہ طلسماتی رات' ستاروں سے سجے آسمان اور بھیگتی چاندنی جیسی حسین رات کا سحر تھا کہ وہ کچھ پل کے لیے سب کچھ بھول گیا تھا۔ حالانکہ وہ پورٹ بلیر یعنی کیڈٹ کالج کلر کہار کے بابر ونگ کی بالکونی میں کھڑا تھا اور یہاں صرف صبح سویرے پی ٹی ماسٹر منصور کی بھیانک آواز کانوں کے پردے پھاڑا کرتی تھی۔ کالج کے ہر ونگ میں بھگدڑ مچ جاتی تھی۔ تمام کیڈٹس کمبل' لحاف' چادریں اٹھا اٹھا کر پھینکتے' کپڑے بدلتے' جوگرز کے تسمے کستے طویل گیلریوں سے بھاگ بھاگ کر نکلتے ہوئے گراؤنڈ میں جمع ہوجاتے تھے۔

☼ ☼ ☼

واحد سلطان احمد جناح ونگ کا ونگ کمانڈر تھا۔ جناح ونگ میں نیو کمرز آئے تھے۔ ہر سال 8th اسٹینڈرڈ میں نیو اپائنٹمنٹس ہوا کرتی تھیں' چونکہ واحد سلطان پورے کالج کا سی پی تھا' سوا سے نہ صرف اپائنٹمنٹ ملی تھی' بلکہ اسے جناح ونگ کا کمانڈر بھی بنادیا گیا تھا۔ وہ خود بھی اسی ونگ کے ساتھ منسلک رہنا چاہتا تھا۔

اسے آنے والوں سے خصوصی لگاؤ تھا۔ کبھی وہ خود بھی اس اسٹیج سے گزرا تھا اور نئے نئے یہ کم عمر لڑکے جب شروع شروع میں اپنے گھر والوں کی یاد میں کمبل یا لحافوں میں منہ دیے سسکاریاں بھرتے تھے' تب راؤنڈ پر آئے واحد کو ان پر ٹوٹ کے پیار آتا تھا۔ جبکہ خود واحد اپنے گھر والوں کو قطعاً" یاد نہیں کرتا تھا۔

اس کی زیادہ دوستی موحد سے تھی۔ واحد کی طرح موحد کو بھی ممی کے سخت رویے اور عظیم اصولوں سے چڑ تھی۔ وہ ویک اینڈ پہ اکثر اسے فون کرکے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑا کرتا تھا۔ اس سہ پہر بھی کالج ٹائم کے بعد وہ اپنا یونیفارم بدل رہا تھا۔ موحد کی کال آئی تھی۔

"یار! تو ابھی زندہ ہے؟؟" اس کی مصنوعی حیرانی نے موحد کو آگ ہی لگادی تھی۔ وہ جو بڑے خوش گوار موڈ میں تھا ایک دم بھنا اٹھا۔

"اگر مرچکا ہوتا تو تم ابھی کیڈٹ کالج کلر کہار کی حسین سرزمین پر ٹہلیں نہ کررہے ہوتے۔ لاہور آکر میرے تجہیز و تکفین کا انتظام کررہے ہوتے۔" واحد کو ہنسی آگئی۔

تب ہی ادھر پیس سے ایک نسوانی آواز سنائی دی تھی اور اس آواز کو سن کر واحد کا موڈ بھی خوش گوار نہیں رہ سکتا تھا۔

"واحد سے کہنا' ہائی نیک لازمی پہن کر رکھے اور شام سے پہلے کلر کہار کا موسم سخت ابر آلود اور ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں۔ اس کے وہ' تین لانگ کوٹ اور کلوک امریکا سے آئے ہیں۔ اس سے پوچھو' کل آئے گا یا نہیں۔ ورنہ سامان ادھر ہی بھجوادیں۔

ممی نے سوہن حلوہ بھی بنوایا ہے۔ اسے یاد ہے کہ وہ' رات کو سبز قہوہ لازمی پی کر سویا کرے۔ میں تو کہتی ہوں۔۔۔"

وہ نان اسٹاپ بولے جارہی تھی۔ آواز اتنی بلند تھی کہ موحد کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ واحد نے من و عن اس کی تمام تقریر خود سن لی تھی۔ وہ افلاطون کی سوتیلی بہن نہ جانے خود کو سمجھتی کیا تھی۔ وہ اس بقراط کی وجہ سے بھی گھر نہیں جاتا تھا۔

اسے بس ایک ہی جنون تھا۔ ممی کی طرح نصیحتیں کرنا' بلاوجہ خود کو نہایت عقل مند' بردبار' عقل کل سمجھنا۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ اسے سب کا بہت خیال ہے۔

اسے کوکنگ کا بھی جنونی شوق تھا۔ وہ اپنی ٹف روٹین سے بھی وقت نکال کر اپنے بھائیوں کو ٹھنسانے

کے لیے نہ جانے کیا کیا بکواس ڈشز بناتی رہتی تھی۔
آج کل حلووں کی شامت آئی تھی۔ اسے اپنے پپا اور بھائیوں سے جھوٹی تعریفیں بٹورنے کا چسکہ بھی پڑ چکا تھا۔ اب یہ جھوٹی تعریفیں محض آئمہ کے پپا اور بھائی ہی کرسکتے تھے۔ واحد میں تو ایسا حوصلہ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ الم غلم پکا کر ہر تیسرے ویک اینڈ پر بھجوا دیتی تھی۔ پھر اس کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ واحد تعریف بھی لازمی کرے' جو کہ وہ قیامت تک نہیں کرسکتا تھا۔ وہ بار بار پوچھتی۔
"تمہارے دوستوں کو پوری کچوری' کھوئے کی پڈنگ اور گوشت کے قتلے پسند آئے یا نہیں؟"
"نہیں۔" وہ بڑی رکھائی سے جواب دیتا۔ وہ اسے کیوں بتاتا کہ اس کے کمینے دوستوں کے سامنے تو گھر کی گھاس بھی رکھ دی جاتی تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتے اس گھاس کو بھی چر جاتے۔ پھر آئمہ تو خاصی چٹ پٹی اور میٹھی' نمکین ڈشز بنا کر بھیجا کرتی تھی۔ مگر اس کی تعریف کرکے واحد' آئمہ کو اترانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ واحد کو پورا یقین تھا کہ آئمہ اور اس کی سہیلی مختلف ڈشز میں تعویذ گھول گھول کر اسے بھیجتی تھیں' تاکہ وہ شان دار نمبروں سے فیل ہوکر ممی کی نظروں میں دو کوڑی کا ہوجائے۔ وہ اس کی ازلی دشمن تھی۔ ایک زمانے میں آئمہ کی جھوٹی شکایتوں کے باعث واحد کو ممی سے بہت مار پڑتی تھی۔ اگرچہ وہ شکایتیں جھوٹی نہیں ہوتی تھیں۔ وہ واحد اور موحد' آئمہ کو ہمدرد جان کر رازدار بنا کر گھر سے فلم دیکھنے اور دوست کے گھر جاتے تھے اور واپس آنے تک آئمہ ان کا کچا چٹھا کھولے خود بھیگی بلی بنے کتاب میں سر دیے بیٹھی ہوتی اور ممی جوتے سمیت ان دونوں کے سر پہ پہنچ جاتی تھیں۔
آئمہ کی غداری پر تو صفحے کالے کیے جاسکتے تھے۔ کتابیں بھری جاسکتی تھیں۔ اس نے ہمیشہ برے وقت میں واحد اور موحد کا ساتھ چھوڑا تھا۔ وہ جتنا مرضی اسے لالچ دے کر غائب ہوتے تھے۔ ان کے واپس آنے تک وہ ممی کے کانوں میں ان کی شرارتیں پھونک چکی ہوتی تھی۔ کئی مرتبہ آئمہ کی فضول شکایتوں پر اسکول ٹیچر نے پورے مجمع کے سامنے واحد کی کلاس لی تھی۔ ایک مرتبہ آئمہ کی سنگین غداری پر پرنسپل نے واحد کو تھپڑ بھی مارا تھا۔ دراصل ایک بہت اہم ٹیسٹ کے دن واحد نے جان بوجھ کر چھٹی کرلی تھی اور بہانہ بنایا تھا' وہ ممی کے ساتھ کسی فوتگی میں چلا گیا تھا۔ دوسرے دن پرنسپل نے آئمہ کو بلالیا اور اس سچ کی علمبردار نے پورے اسٹاف کے سامنے واحد کا پول کھول دیا تھا۔ جواباً" پرنسپل نے اس کے منہ پر بڑا سخت تھپڑ مارا تھا۔ شاید وہ آخری مرتبہ تب آئمہ سے بدگمان ہوا تھا۔ اس کے بعد اس نے آئمہ پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ یہ سب بچپن کے قصے تھے مگر واحد سلطان کے ساتھ ایک بڑا اذیت ناک مسئلہ تھا۔ وہ گزری باتیں کبھی بھلا نہیں سکتا تھا۔ تو پھر آئمہ کی غداری کیسے بھول جاتا۔
اگرچہ بیتے وقت کے ساتھ کچھ بھی ویسا نہیں رہا تھا۔ نہ وہ بچپن والا شرارتی سا واحد سلطان تھا نہ ہی وہ شکایتی ٹٹو سی چالاک ٹاپ آئمہ عمار ویسی رہی تھی مگر جو گرہ واحد سلطان کے ذہن میں پڑچکی تھی' وہ کبھی کھل نہیں سکتی تھی۔ وہ اب بھی موقع دیکھ کر ممی کو اس کے خلاف بھڑکانے سے باز نہیں آتی تھی۔
پچھلے ماہ آئمہ اور اس کی دوست نرجس عرف کملو کی وجہ سے چاچو اور ممی نے اسے بے بھاؤ کی سنائی تھیں۔ ہوا کچھ اس طرح سے تھا کہ آئمہ محترمہ کی سال میں کوئی پانچویں سالگرہ منائی جارہی تھی۔ آئمہ نے اسے کہا تھا' وہ نرجس کو اس کے گھر سے لے آئے۔ ممی کے سامنے اس نے ہاں تو بھلی تھی' پھر نرجس کو لینے کے بہانے نکل بھی گیا تھا مگر پھر جان بوجھ کر رات دس بجے قریب گھر آیا۔ گھر کے سب ہی افراد منہ پھلائے بیٹھے تھے۔
واحد پر ان کے پھولے منہ کا کیا اثر ہوسکتا تھا۔ وہ اطمینان سے ان کے درمیان آکر بیٹھ گیا۔ پھر ڈھٹائی

کے ساتھ اس نے بڑا سا آئس کریم کیک کا پیس اٹھا کر منہ میں رکھا۔ فروٹ چاٹ اور کوک سے لطف اندوز ہوا۔ کچپ کے ساتھ کباب بھی چکھ لیے تب اسے خیال آیا کہ وہ اکیلا ہی کھائے جارہا ہے۔ اس نے گلا کھنکھار کر سب کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تھا مگر وہ تو سارے ہی گھور گھور کر اسے دیکھے جارہے تھے۔ تب واحد کو خیال گزرا کہ کیک پہ چھری بھی نہیں پھیری گئی تھی۔ سو وہ ذرا چونکا ہوا۔

"تم کملو کو لینے گئے تھے نا' ایک ہی آئمہ کی دوست ہے' اس کی ہر خوشی میں شریک ہوتی ہے وہ۔" واحد نے چبا چبا کر غصے کا اظہار کیا تھا۔ ودید بھی اسے ہی گھورے جارہا تھا۔

"اف۔ نو۔ میں تو بھول ہی گیا۔ آئمہ نے مجھے کملو کو لینے کے لیے بھیجا تھا۔" واحد بڑی یتیم سی صورت بنا کر اپنے بھلکڑپن کو ملامت کررہا تھا۔

"بہت جھوٹا ہے یہ کمینہ۔ اٹھارہ ٹیکسٹ کیے تھے کملو کو لے آؤ۔ مگر یہ جان بوجھ کر اتنی دیر سے آیا ہے۔ کملو بے چاری اتنا مہنگا سوٹ' اتنی قیمتی جیولری پہنے انتظار کرتی رہ گئی۔ اس نے اتنا پیارا میک اپ کروا رکھا تھا۔ آج تو میں نے کملو کا آئی میک اپ دیکھ کر خود بھی سیکھنا تھا۔" اپنے نقصان یاد کرکے آئمہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

اسے ممی سمیت سب کی بے بھاؤ کی اس سننی پڑی تھی۔ پچھلے مہینے کی اس بدمزگی کو سوچتے ہوئے اس وقت بھی واحد کا حلق تک کڑوا ہوگیا تھا۔ سو وہ انتہائی برے موڈ کے ساتھ فون بند کرنا ہی چاہتا تھا' جب موحد کی آواز کے پیچھے ایک مرتبہ پھر آئمہ کی متفکر آواز سنائی دی تھی۔

"موحد! اس سے پوچھو تو سہی' کل وہ آئے گا یا نہیں۔ میں اس کے لیے سنگاپوری رائس اور سلطانی دال کی کملو سے ترکیب پوچھ کر کچھ تو تیاری کرلوں۔"

وہ بڑی پریشانی کے عالم میں پوچھ رہی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ واحد ان سے ناراض ہوگیا ہے۔ وہ اس کے لیے چٹ پٹے کھانے بنا کر اسے منالینے کی ترکیبیں بھی سوچ چکی تھی۔ مگر واحد نے بہت کٹھور پن سے دوٹوک لہجے میں جواب دیا۔ کہ وہ کل ہرگز بھی نہیں آئے گا۔ اس کا انتظار نہ کیا جائے۔ آئمہ تک واحد کا جواب خود بخود پہنچ گیا تھا اور نہ جانے کہاں سے کوئی اڑتی ہوئی گرد اس کی آنکھوں میں چبھن دینے لگی۔ وہ اپنے بھائیوں سے نظر چرا کر کچن میں گھس گئی۔

☆ ☆ ☆

واحد سلطان' عتیق سلطان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ عتیق سلطان عرصہ دراز سے امریکا میں مقیم تھے۔ ان کا اپنا مختصر سا بزنس تھا۔ واحد کی امی کے انتقال کے بعد انہوں نے دوسری شادی پاکستان میں ہی کی تھی۔ بعدازاں اپنی فیملی کو بھی امریکا بلالیا تھا۔ تاہم واحد کو وہ اپنی ہٹلر ٹائپ بھاوج کے سپرد کرگئے تھے۔ دراصل ان کا خیال تھا واحد کی اچھی تربیت اور پرورش امریکا جیسے ملک میں بہترین طریقے سے نہیں ہوسکتی۔ کچھ وہ فطرتاً "لاپروا" تھوڑا آزاد خیال تھا اور پابندیوں سے سخت گھبراتا تھا۔ انہیں اپنی بھاوج اور بھائی پر بڑا بھروسا تھا' مگر وہ کبھی بھی اپنے بیٹے کی تعلیم اور اس کی ضرورتوں سے غافل نہیں رہے تھے۔ اسے ہمیشہ مہنگے ترین اسکول اور پھر انتہائی اعلا ساکھ رکھنے والے کالج میں داخل کروایا تھا۔ اس کے باوجود واحد کے شکوے کبھی ختم نہیں ہوتے تھے۔ وہ اپنے باپ سے بھی ناراض تھا کہ وہ اسے امریکا نہیں بلواتے تھے۔

اس کا خیال تھا کہ اسے بلاوجہ کی روک ٹوک اور پابندیوں کے حوالے کرکے اس کے باپ نے اچھا نہیں کیا۔ تاہم وہ جانتا نہیں تھا۔ عتیق سمیت سمیعہ اور عماز بھی اس کی بھلائی کے لیے کہاں کہاں اپنے دل کو مارتے رہتے تھے۔ یہ اس کی اچھائی اور بھلائی کی سب سے بڑی مثال ہی تو تھی۔ سمیعہ نے اسے بورڈنگ بھجوادیا تھا۔ ورنہ واحد کو آنکھوں سے اوجھل

کرنا کہاں ممکن تھا مگر واحد ان چیزوں کو سمجھتا ہی نہیں تھا۔ وہ ان سے تب بدگمان ہوا تھا۔ جب اسے ہاسٹل بھجوادیا گیا تھا۔ وہ 8th اسٹینڈرڈ میں یہاں آیا تھا اور اب اس کالج میں اس کا آخری سال تھا۔ اس کے بعد اس نے کہاں جانا تھا؟ یہ سب وہ بہت پہلے ہی پلان کرچکا تھا۔

مگر فی الحال اسے کچھ بھی واضح نہیں کرنا تھا۔ وہ دل ہی دل میں بہت آگے تک کا سوچ چکا تھا مگر تقدیر کے پھیر نے اس کی تمام پلاننگ لبریز کردی تھی۔ اس نے جو کچھ سوچا تھا' اس کے برعکس نہ جانے کیسے ہوگیا تھا۔

ہوا کچھ اس طرح سے تھا کہ اس اتوار کو واحد نے سابقہ غصے کے تحت گھر جانے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ سو اتوار والے دن اس کی مصروفیت بھی کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ اسے جناح ونگ کے بچوں کو ان کے گھروں میں بھجوانے' ان کے سامان چیک کرنے اور والدین کے حوالے کرنے کے متعلق اپنے اسسٹنٹ کو ہدایات دینی تھیں۔

اتوار کو دو بجے سے پہلے سلور سوک میں ٹھونس ٹھانس کر اس کا پورا قبیلہ ملنے کے لیے پہنچ چکا تھا۔ ممی کی طبیعت خراب تھی۔ وہ نہیں آسکی تھیں مگر ودید' موحد' واحد کے ساتھ آئمہ اور آئمہ کی اکلوتی فرینڈ کملو بھی جلوہ افروز تھی۔ اگرچہ کملو بھی آئمہ کی طرح واحد سے ڈیڑھ دو سال بڑی تھی تاہم وہ واحد کو نام سے نہیں پکارتی تھی بلکہ بھائی کا صیغہ لگاتی تھی۔ وہ بھی جان بوجھ کر جس کو "کملو آپی" کہا کرتا تھا۔

وہ ہونق پن سے ان سب کو گاڑی میں سے بڑے بڑے باٹ پاٹ نکالتے دیکھ رہا تھا۔ وہ کیسے خوش باش نظر آرہے تھے۔ گویا اسے اطلاع دے کر آنا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔ وہ جلتا کلستا ان کی کارروائیاں دیکھتا رہا۔

لڑکیاں سامان رکھ کر اب اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں جبکہ ودید اس کی خاموشی محسوس کرکے قدرے خفگی سے کہہ رہا تھا۔

"ارے دو چار جھانپڑ لگاؤ۔ کیسے ہونقوں کی طرح دیکھے جارہا ہے جیسے ہمارے سروں پر سینگ اگ آئے ہیں۔"

ودید کے ٹوکنے پر بالآخر اسے سنبھلنا پڑا۔ اپنے ہونق تاثرات کو چھپانے کے لیے اس نے گھور گھور کر آئمہ کو دیکھنا شروع کردیا۔ وہ دونوں بچوں کی طرح ایڑھیاں اچک اچک کر اور دوربین لگا کر نجانے کیا تلاش کررہی تھیں۔

"یہ تم دونوں کیا احمقوں کی طرح تلاش کررہی ہو؟" اس نے آئمہ اور کملو دونوں کو بیک وقت مخاطب کیا تھا۔

واحد کے مخاطب کرنے پر آئمہ گویا نہال ہوگئی تھی۔

وہ بے ساختہ کھلکھلا کر کملو کو ٹہوکا دیتی اس کی طرف مڑی۔

"واحد بھائی! ہم دونوں تو جھیل کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ یہاں سے نظر کیوں نہیں آرہی۔" کملو نے اپنے سوجھ بوجھ کے مطابق کھلا سا ہی جواب دیا۔ اس کی بات کو سن کر ودید نے بے ساختہ لاحول پڑھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی واحد اور موحد کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ تو گویا یہ دونوں عالم فاضل مستقبل کی "ڈاکٹرنیاں" کلر کہار کی مشہور معروف جھیل دریافت کررہی تھیں۔ ان دونوں کو ہنستا دیکھ کر کملو کا منہ اتر گیا تھا جبکہ آئمہ نے بہت سنجیدگی کے ساتھ ان دونوں کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

"دانت کیوں دکھا رہے ہو مجھے۔ جانتی ہوں تمہارے پورے بتیس دانت موجود ہیں۔" وہ اسے مزید بولنے پر اکسا رہی تھی۔ واحد کی مسلسل خاموشی اور سنجیدگی نے اندر سے اسے خائف کر رکھا تھا۔ واحد نے اسے نظرانداز کرکے کملو کو مخاطب کیا تھا۔

"کملو آپی! یہاں سے جھیل نہیں نظر آئے گی' صرف پہاڑ اور موٹروے نظر آئے گا' سو آپ اپنی ننھی منی آنکھوں کو مت تھکائیں۔"

موحد کو ہنسی آگئی تھی جبکہ کملو نے بھی بلاوجہ ہنسنا شروع کردیا تھا۔ دراصل نرجس میں ایک بڑی خوبی یہ بھی پائی جاتی تھی کہ وہ کسی بھی بات کا برا نہیں مانتی تھی۔

"جھیل تو نظر نہیں آرہی' اب کیا ہوگا؟" کملو کی افسردگی ملاحظہ کرکے ودید نے ایک مرتبہ پھر لاحول پڑھی۔

"کملو آپی! پریشان کیوں ہوتی ہیں۔ جاتے ہوئے جھیل کی سیر بھی کرتی جایئے گا۔" واحد کے مشورے پر ودید تلملا کر رہ گیا کیونکہ وہ صرف واحد سے ملنے اور اسے کھانے پینے کا سامان دینے آئے تھے۔ جھیل پر جانے سے ٹائم ضائع ہونے کا خدشہ تھا۔

"جلدی سے لنچ وغیرہ سے فارغ ہوجاؤ' ہم بس آدھے گھنٹے تک واپس جارہے ہیں۔" ودید کے حکم نامے کو سن کر آئمہ اور نرجس نے جھٹ پٹ ہاٹ پاٹ کے ڈھکن کھول دیے تھے۔ سو گھر کے کھانوں کے ترسے واحد کے سارے دوست کھانے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ پھر بریانی اور قورمہ کھاکر بآجماعت آئمہ کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔

ان سب کی تعریف سن کر آئمہ خوشی سے پھول پھول کر کپا ہوئی جارہی تھی۔ اس کی تعریفیں واحد کا سو فیصد دل جلا کر رکھ دیتی تھیں۔ جبکہ اس نے خود اس کی تعریف نہیں کی تھی۔

"ہم کالج کا وزٹ کرکے جائیں گے۔" آئمہ کی ضد پر اس کے تینوں بھائی ہمیشہ کی طرح نرم پڑگئے تھے۔

"واحد! تم کملو اور آئمہ کو اپنا کالج دکھالاؤ۔ پکنک منانے کے لیے تمہارے کالج سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔" ودید کی "بکواس" پر واحد بھنا اٹھا تھا۔ پچھلے کئی سالوں میں کئی مرتبہ آئمہ نے اس کالج کا چپہ چپہ دیکھا تھا مگر اوپر سے پینڈولوں کی طرح ہر بلڈنگ کی فوٹو بنانے کا بھی جنون تھا۔

"یہ کون سی بلڈنگ ہے۔ کم از کم منہ سے تو کچھ پھوٹ دو۔" جب آئمہ نے تیسری مرتبہ اپنی بات دہرائی تو واحد نے شعلہ بار نظروں سے اسے گھورا تھا تاہم بولا کچھ بھی نہیں۔ مگر وہ آئمہ ہی کیا جو چپ رہ جاتی۔

"ہمیں کیا خبر' تمہارے کالج میں کیا کچھ ہے۔ پاگلوں کی طرح بس دوڑائے جارہے ہو۔" واحد نے یوں ظاہر کیا گویا اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔

وہ تین لمبے لمبے راؤنڈ لگوا کر جب وہ انہیں واپس لے کر آرہا تھا تب ہانپتی ہوئی نرجس اکیڈمک بلاک کے بینچ پر گرگئی۔ وہ بھی جان بوجھ کر انہیں طویل چکر کاٹ کر گیٹ تک لایا تھا۔

"صرف گراؤنڈ کا چکر لگا کر یہ حالت ہوگئی ہے تمہاری۔ ابھی تو تم نے اکیس کلاس روم دیکھنے ہیں۔ کمپیوٹر لیب اور انگلش لینگویج لیب دیکھنی ہے۔ لائبریری کا بھی وزٹ کرنا ہے۔ دو ایگزامز ہال بھی ہیں۔ چار کیڈٹ ہاسٹلز ہیں۔ چار وی کری ایشن روم ہیں۔ دو عدد کیڈٹ میس بھی ہیں۔ ٹیچرز ہاسٹل الگ ہے۔ ایک عدد کالج کیفے ہے۔ ایک عدد مسجد بھی ہے۔ آفس بلاک بھی الگ ہے۔ اور یاد آیا' باربر شاپ بھی ہے۔ جنریٹر روم' پانچ واٹر ٹینکس' دو ویلز' دو واٹر ڈیم بھی دیکھنے کے لائق ہیں۔ اتنا کچھ دیکھے بغیر چلی جاؤ گی۔ پھر ممی اور ودید سے شکایت کروگی میں نے تمہیں جان بوجھ کر اپنا کالج نہیں دکھایا۔ تھوڑی ہمت پکڑو اور میرے ساتھ آؤ۔ تم نے تو ابھی اپنا مشہور زمانہ تصویریں کھینچنے والا شوق بھی تو پورا کرنا ہے۔"

اس کے پچکارنے والے انداز نے نرجس اور آئمہ دونوں کو آگ ہی لگادی تھی۔ وہ اس کی چالاکی اور مکاری پر سخت تاؤ کھارہی تھیں۔ مگر آئمہ کوئی چبھتا جواب دے کر پہلے سے تپے واحد کو اور تپانا نہیں چاہتی تھی۔ ورنہ اگلے مہینے بھی وہ گھر نہیں آتا سو اس کے تمام تر طنز کو بہت صبر کے ساتھ حلق سے اتار کر آئمہ نے بڑے پیار بھرے نرم لہجے میں پوچھا تھا۔

"تم گھر کب آؤگے واحد! ممی بہت اداس ہیں تمہارے لیے۔"

"ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ نیکسٹ ویک سے اسپورٹس گالا اسٹارٹ ہورہے ہیں۔ شاید میں چکر نہ لگاؤں۔" اس کا جواب سن کر آئمہ کچھ بجھ گئی تھی تاہم اس نے مزید اصرار نہیں کیا تھا۔ واحد نے کندھے اچکا کر اس کے چہرے پر سے نظر ہٹالی تھی۔ یقیناً" وہ واحد کی بے عزتی کا موقع ضائع ہوجانے پر افسردہ تھی۔

اس کی وجہ سے ممی کے ہاتھوں بچپن کی ماریں اسے ابھی تک بھولی نہیں تھیں۔ ویسے بھی ممی کی گدی پر اب ان کی بیٹی جلوہ افروز تھی اور وہ بغیر کسی لحاظ کے ابھی تک موحد اور واحد کی دھنائی کرڈالتی تھی۔ مجال تھی جواب بھی اس کے تینوں بھائی بغیر اطلاع کے رات گئے تک باہر رہتے۔ وہ تینوں شدت سے دعاگو تھے کہ جلد از جلد آئمہ کی شادی ہوجائے مگر آئمہ کی شادی کہاں ہوسکتی تھی۔ ابھی تو اس نے نجانے کس کس جہاں کا علم گھول گھول کر پینا تھا اور جانے وہ کون بدنصیب تھا جس کے مقدر آئمہ کے ساتھ پھوٹنے تھے۔ خیر' وہ جو بھی تھا۔ واحد کی بلا سے۔

☆ ☆ ☆

یہ اس کا کالج میں آخری سال تھا اور کالج میں ان دنوں اسپورٹس گالا سیزن اسٹارٹ ہورہا تھا۔ ہر پانچ سال بعد کھیلوں کے مقابلے ہوتے تھے۔ سو وہ باسکٹ بال کا بہترین کھلاڑی تھا۔

ممی کی خواہش تھی وہ صرف نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیا کرے۔ غیر نصابی کوئی بھی کامیابی ممی کی نگاہ میں مقام نہیں رکھتی تھی۔ ممی کے بعد ان کی اکلوتی بیٹی اس کی رہنما' پیشوا بننے کی انتھک کوشش میں لگی ہوئی تھی۔

اسپورٹس گالا کے اسٹارٹ ہوتے ہی ممی کو ہول اٹھنے لگے تھے سو انہوں نے فوراً" اپنی اسسٹنٹ کو خوب سکھا پڑھا کر اسے فون کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ ممی کا خیال تھا اس کے فائنل ایگزامز سر پر تھے اور اب وہ گیم کی طرف متوجہ ہوگیا تو اچھا رزلٹ نہیں لائے گا مگر وہ واحد ہی کیا جو ممی اور آئمہ کی کسی بات کو خاطر میں لاتا۔ پانچ سال سے وہ اسپورٹس گالا کا منتظر تھا۔ آخر پچھلے پانچ سال کی محنت' پریکٹس اور گیم سے جنون کی حد تک محبت سامنے آنا تھی۔ پھر وہ کیسے اتنا اہم موقع گنوا سکتا تھا۔

ممی چاہتی تھیں وہ یہاں سے پاس آؤٹ کرکے کاکول اکیڈمی چلا جائے۔ وہ اسے فوج کا اعلا آفیسر دیکھنا چاہتی تھیں۔ جبکہ آئمہ کی خواہش تھی وہ میڈیسن میں نام بنائے۔

اپنے تئیں ان دونوں ماں بیٹی نے واحد کے حوالے سے اونچے اونچے خواب دیکھ رکھے تھے۔ ممی چاہتی تھیں اس کے شانوں پر اسٹار سجیں اور ان کی بیٹی چاہتی تھی واحد سفید اوور آل میں آنکھوں پر چشمہ لگائے نظر آئے اور واحد کیا چاہتا تھا؟ اس بارے میں کسی نے کچھ نہیں سوچا تھا اس کی خواہش' تمنا اور خواب کیا تھے؟ انہیں جاننے کی کسی نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ سب اپنے اپنے خواب اس کی آنکھوں میں ٹھونس دینا چاہتے تھے۔

آئمہ کی کال سے پہلے احد کا فون بھی آیا تھا اور کم و بیش اس کی باتیں بھی واحد کے مستقبل کے گرد گھوم رہی تھیں۔ اس نے احد کو تو ٹال دیا تھا تاہم آئمہ کے چودہ طبق ضرور روشن کیے تھے۔

"تمہیں میرے فیوچر کے لیے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس بالزاک کی 'یوجین گرانڈیٹ' پڑھو اور اچھے اچھے مصنفین کی روحوں کو خراج تحسین پیش کرو۔ جو تم جیسوں کے لیے عظیم خزانہ چھوڑ گئے ہیں۔"

اس کی بکواس سن کر آئمہ بھی یقیناً" تپ اٹھی تھی۔

"ہمیں فکر نہیں ہوگی تو اور کسے ہوگی؟ تمہارا یہ سال بہت قیمتی ہے۔ مگر تمہیں کب اپنے فیوچر کی پروا ہوئی ہے۔ ہم لوگ ہی مرے جاتے ہیں تمہاری فکر میں۔" کوھار رکھنے کی تو وہ بھی قائل نہیں تھی۔ واحد

سر سے لے کر پیروں تک بھنّا اٹھا تھا۔

"تو میں تمہارے پیروں میں گرا ہوا ہوں۔ تمہیں خود ہی مدر ٹریسا بننے کا شوق ہے۔ جب کوئی بندہ رعب جمانے کے لیے نہیں ملتا تو میرا دماغ چاٹنے لگتی ہو۔ میں تمہیں وارننگ دے رہا ہوں' میری رہنمائی کرنا چھوڑ کر خود کو اپنے بھائیوں اور اس مسکین اکلوتی سہیلی تک محدود رکھو۔"

آئمہ نے فوراً" موضوع تبدیل کردیا۔

"ارے واحد! یاد آیا۔ تم نے میرے ہاتھ کے بنے موتی چور کے لڈو اور امرتی کھائی یقیناً" اسی طرح بند رکھے ہوں گے جیسے ہم چھوڑ کر آئے تھے۔ تم نے خود تو کھائے نہیں' اس معصوم پروسی اسامہ کو دے دیتا غریب گھر کی مٹھائیوں کا ترسا ہوا ہے۔ دعائیں دے گا مجھے ان دنوں مجھے سخت دعاؤں کی ضرورت ہے۔ میڈیکل کی ٹف اسٹڈیز نے میری مت مار کے رکھ دی ہے۔" آئمہ کی مزید "بکواس" بڑھتی دیکھ کر وہ فون بند کردینا چاہتا تھا جب وہ اس کا ارادہ بھانپ کر فوراً" بول پڑی۔

"فضول بک بک میں کام کی باتیں بھلا دیتے ہو مجھے۔۔۔"

آئمہ کے اس نئے الزام پر وہ پھر سے پھڑک کر رہ گیا تھا۔

"اب پھوٹ بھی چکو' مجھے ابھی نیچے جانا ہے۔"

"وہ میں نے تم سے پوچھنا تھا۔ گھر کب آؤ گے؟ دو مہینے ہوچکے ہیں' تم نے اپنے درشن نہیں کروائے۔ ممی تمہیں یاد۔۔۔"

واحد نے اس کی پوری بات سنے بغیر فون بند کردیا۔

☼ ☼ ☼

پورے ایک ہفتے کی محنت' بلکہ انتھک محنت' جنون' جوش اور جذبے کی بدولت واحد کی ٹیم باسکٹ بال کا مقابلہ جیت گئی تھی۔ اسے اپنی جیت کا پورا یقین تھا۔ مگر یہ سوچ کر واحد کے اندر کی خوشی کچھ ماند پڑ گئی تھی کہ ان کا یہاں سے کوچ کا وقت بھی قریب آگیا ہے۔

اس دفعہ فروری میں برف پڑی تھی اور یہ برف جیسے تمام پاس آؤٹ کر جانے والے کیڈٹس کی آنکھوں میں جمتی جارہی تھی۔ وہ اپنی مدت پوری کرکے بہترین یادوں کو ہمراہ لیے جانے والے تھے۔

انہیں بھیجنے والوں کے دل بھی بوجھل اور اداس تھے۔ اس عظیم درس گاہ سے جڑی یادیں بھلائی نہیں جاسکتی تھیں۔

واحد کا اپنا دل بھی بہت بوجھل تھا۔ ان کے کیریر کا صحیح معنوں میں آغاز ہو رہا تھا۔

وہ سب الگ ہونے والے تھے۔ ان میں سے کسی کی منزل ایک نہیں تھی۔ کسی نے ڈاکٹر بننا تھا' کسی نے انجینئر بننا تھا۔ کوئی پاک فوج کو جوائن کر رہا تھا۔ کوئی مزید اعلا تعلیم کے لیے باہر کا رخ کرنے والا تھا۔

اس رات وہ سارے دوست مل کر اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے رہے تھے۔ اپنے اپنے خواب شیئر کررہے تھے۔

اینول ڈنر اور اینول فنکشن میں سب کے والدین بھی آئے تھے۔ ان کے خوشی سے چمکتے چہروں پر خوابوں کے ستارے لشک رہے تھے۔ واحد کو پہلی مرتبہ ممی اور عماز چاچو کے چہرے پر اپنے لیے فخر نظر آیا تھا۔ وہ اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ واحد کو ہمیشہ بہت آگے سب سے آگے دیکھنا چاہتے تھے۔ اینول ڈنر کی رات واحد کے تمام دوست پچھلی بے شمار یادوں کو تازہ کررہے تھے۔ تب اسامہ نے ان سب سے ایک سوال کیا تھا۔

"ان پانچ سالوں میں تم نے سب سے زیادہ کسے یاد کیا؟"

علی کہہ رہا تھا اس نے اپنی مما کو بہت یاد کیا۔ فرقان اپنے ابو کے قریب تھا۔ قاسم اپنی بڑی باجی کو زیادہ یاد کرتا رہا تھا۔ اسامہ اپنی دادی کے لیے بہت اداس رہتا تھا۔ ندیم کی اپنی ہم عمر پھوپھو سے خوب دوستی تھی۔ کاشر اور تقی اپنی ممی کے لیے کمبل میں منہ دے کر

روتے تھے۔ عباس اور فہد بھی اپنی ماما کو یاد کرتے تھے۔ جب واحد کی باری آئی اور اس سے سوال کیا گیا تو وہ ایک دم ہونق ہوگیا۔

وہ بھلا پچھلے پانچ سالوں میں سب سے زیادہ کسے یاد کرتا رہا تھا؟ کیا اپنے ڈیڈی کو؟ مری ہوئی ماں کو؟ ممی یا عماز چاچو کو؟ احد' ودید' موحد واحد کو؟ مگر وہ تو ان میں سے کسی کو بھی اتنی شدت سے یاد نہیں کرتا رہا تھا۔ ہاں اگر اس نے یاد کیا بھی تھا تو صرف اور صرف اپنے چاچو کی اس چالاک' مکار' عیار بیٹی کو۔ حقیقت تو یہ تھی چاہے اس نے برے الفاظ میں سہی مگر آئمہ کو ہی یاد کیا تھا۔ مگر وہ ہی سب سے زیادہ اس کی سوچوں پر قابض رہی تھی۔

اکثر کلاس روم میں لیکچر کے وقت اسے آئمہ کی کوئی چالاکی یاد آجاتی تھی۔ میس میں لنچ کرتے ہوئے اور بریانی روسٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اسے آئمہ کے ہاتھ کا مچھلی پلاؤ یاد آجاتا تھا' دراصل آئمہ نے اپنی "بکواس" کا حصار کچھ اس طرح سے واحد کے اردگرد کھینچ رکھا تھا کہ وہ چاہ کر بھی اس حصار کی زد سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ ان دنوں کی ہی تو بات تھی' جب اس نے ایف ایس سی میں ٹاپ کیا تھا۔ تب ممی اور عماز چاچو نے اس کے اعزاز میں بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں اس کے پرانے ٹیچرز اور کلاس فیلوز کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ اسی پارٹی کے اختتام پر واحد کے سب دوستوں نے اپنے اپنے ارادوں کے متعلق آگاہ کیا تھا۔ معاً" شیفون کی زنگ کلر کی ساڑھی کا پلو لہراتی ممی سج سج کر قدم اٹھاتی نہ جانے کہاں سے آگئی تھیں۔ اور آتے ہی کس مان اور دھونس بھرے لہجے میں اس کے پیروں تلے سے زمین کھسکادی تھی۔

"میرا واحد تو ان شاء اللہ فوج میں کمیشن لے گا۔ میرا بڑا پرانا خواب ہے یہ۔ میں واحد کو یونیفارم میں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اس نے بھری محفل کے سامنے اپنے بی بی اے کے ایڈمیشن کا بتادیا۔ وہ اپنے باپ کے پاس امریکہ جانا چاہتا تھا اور بزنس ایڈمنسٹریشن کے حوالے سے اعلا ڈگری لینا چاہتا تھا۔ اگرچہ اس کی خواہش' خواب یا تمنا کوئی انوکھی نہیں تھی۔ تاہم اس کا لہجہ' انداز اور الفاظ اتنے تلخ تھے' جو ممی سمیت کئی لوگوں کو چبھ کر چکے تھے۔ اسے نہ فوج میں جانا تھا' نہ آئمہ کی طرح ڈاکٹر بننا تھا۔ اسے بزنس کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا بڑا سا کریچ کیک لاتی آئمہ نے بھی اس کے الفاظ سن لیے تھے۔ اس کی رنگت کیسی موم کی طرح سفید پڑ گئی تھی۔ واحد نے غور نہیں کیا تھا۔ اس کے تو قدم بھی ڈگمگا گئے تھے۔ تاہم یہ سب کیفیات لحاتی تھیں۔ ممی بھی سنبھل چکی تھیں۔ آئمہ نے بھی اپنے تاثرات پر قابو پالیا تھا۔ تب ہی وہ سب کے درمیان کیک رکھتی بڑے ٹھوس اور مستحکم لہجے میں بولی تھی۔

"وش یو گڈ لک واحد!" اس نے بڑی خوب صورت مسکان لبوں پر سجا کے واحد کو مخاطب کیا۔

"مجھے واحد کی سوچ پر بہت خوشی ہوئی۔ میرا بیٹا آگے بڑھنے کے لیے ایک مقصد رکھتا ہے اور مجھے امید ہے یہ اپنی فیلڈ میں بہت کامیاب ہوگا۔"

ممی کی اعلا ظرفی نے اگرچہ واحد کو کچھ خفت زدہ کردیا۔ تاہم بڑی ڈھٹائی سے مسکراتا رہا۔ البتہ اسامہ نے اسے خوب سخت سست سنائی تھیں۔

کچھ دن مزید گزرے تو واحد پھر سے گھر میں بھونچال لے آیا تھا۔ اس نے اعلان کردیا کہ وہ مزید تعلیم پاکستان میں جاری نہیں رکھے گا۔ اسے ہر صورت امریکا بھجوادیا جائے۔

مگر ایک مرتبہ پھر واحد کی خواہشات کو پیروں تلے روند دیا گیا تھا۔ اس کے ضد کرنے' غصہ کرنے' لڑنے جھگڑنے کے باوجود نہ ممی اسے باہر بھیجنا چاہتی تھیں اور نہ ہی ڈیڈی اس کے لیے ویزا بھجوا رہے تھے۔ اس دفعہ ممی کی حمایت میں پورا گھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ نہ

صرف آئمہ بلکہ اس کے چاروں بھائی بھی واحد کے راستے کی رکاوٹ بن گئے تھے۔ اسے ممی سمیت گھر کے ایک ایک فرد سے چڑ ہوگئی تھی۔

اس کی تمام تر ضد' غصہ' بھوک ہڑتال بے کار ہوگئی۔ عماز چاچو اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا آئے گویا کسی بھی فرد کو واحد کی پروا نہیں تھی۔

وہ احتجاجاً "بھوکا پیاسا یونیورسٹی چلا جاتا تھا اور ممی کی چھپی اطمینان سے اپنے بھائیوں کو پڑھتے مطمئن نظر آتی تھی۔ کھنسواتی رہتی۔ ان دنوں وہ بہت ہی

واحد کے دل سے ان لوگوں کے لیے نرمی' پیار' سکون' اطمینان سب ختم ہوگیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ان لوگوں کو زچ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتا تھا۔ ممی کے صدیوں سے بنائے قوانین' اصول اور قواعد اس نے ٹھوکروں سے اڑادیے تھے اور وہ ہر وہ کام کرتا جس سے ممی اور خصوصاً "آئمہ کو تکلیف ہوتی۔ گھر لیٹ آتا' اکثر کھانا بھی باہر سے کھاتا' زیادہ وقت سیر سپاٹوں میں گزارتا۔ تاہم پڑھائی سے اتنا لاپروا ہرگز نہیں تھا۔ مگر ظاہر یہی کرتا۔

تھوڑا وقت آگے گزرا تو واحد نے گھر سے کھانا اور گھر میں ہی سونا شروع کردیا تھا۔ تاہم گھر والوں سے اس کے تعلقات بحال نہیں ہوسکتے تھے اور گھر والے بھی محض اسی بات پر خوش تھے کہ کم از کم واحد آنکھوں کے سامنے تو ہے' یہ ان کی محبت اور پیار کی انتہا تھی۔ وہ اس کی غلطیوں کو' کم فہمیوں کو درگزر کررہے تھے۔

اگرچہ ممی نے ہاتھ ہولا رکھا تھا مگر آئمہ کو پورے اختیارات دے رکھے تھے۔

میڈیکل کی ٹف پڑھائی سے وقت نکال کر وہ اور اس کی سہیلی خصوصی طور پر واحد کی جاسوسی کیا کرتی تھیں۔ وہ کملو کو تو کچھ نہیں کہتا تھا اور اس کے ڈیڑھ سال بڑے پن کا لحاظ کرجاتا تھا۔

یہ بھی ان ہی دنوں کا قصہ ہے جب وہ رو پیٹ کر اپنے سمسٹرز مکمل ہونے کا انتظار کررہا تھا۔

آئمہ اور اس کی تکرار معمول کا حصہ تھی۔ وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی تھی۔ بھی کبھی اس کی بے ہودہ شرارتوں میں کملو آپی بھی حصہ ڈالنے پہنچ جاتی تھیں۔

اس صبح واحد اپنی نیند پوری کرکے نہادھو کر فریش ہونے کے بعد نیچے آیا تو ڈائننگ ہال گھر والوں سے بھر چکا تھا۔

واحد کو دیکھ کر سب ہی کے چہروں پر مسکراہٹ چمک اٹھی تھی۔ آج وہ بہت دن بعد سب کے ساتھ ناشتا کرنے آیا تھا۔ سو ممی اور عماز چاچو بہت ہی خوش تھے۔ ایک سنہری طشتری میں گرما گرم جلیبیاں مل کر آئمہ کچن سے باہر نکل آئی۔

"میں یہ کھاؤں گا؟" واحد سے زیادہ دیر تک صبر نہیں ہوسکا تھا۔

"کیوں۔ تمہارے لیے یہ حرام ہیں؟" ایسا کرارا جواب آئمہ کی طرف سے ہی مل سکتا تھا۔ اس کے چاروں بھائی کھی کھی کرکے ہنسنے لگے۔

وہ کرسی گھسیٹ کر اٹھنے لگا تھا۔ جب احد نے زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"کہاں جارہے ہو؟ بیٹھو' یہاں ابھی تمہارا من پسند ناشتا آجاتا ہے۔"

"مجھے نہیں کرنا۔" واحد جیسے اینٹھ گیا تھا۔

"چل یار! محبوبہ جیسے نخرے نہ دکھا۔" احد نے زبردستی اس کے گلے میں بانہیں ڈال لیں۔

تب ہی بڑا سا تھال رومال سے ڈھکے کملو آپی آتی دکھائی دی تھی۔ اس کے خوان کو دیکھ کر واحد کی جان میں جان آئی تھی۔ یقیناً "کملو اپنے گھر سے ان کے لیے کچھ بناکر لائی تھی۔ اس نے مسکرا کر اٹھلا کر اور قدرے شرما کر تھال موحد اور وحید کے سامنے رکھ دیا تھا۔ واحد کچھ ہونق ہوگیا تھا مگر اس کے گلابی چہرے پر پھیلی سرخی نے اس کے اندازوں پر مہر لگادی تھی۔ یقیناً "ممی کا کوئی ایک بیٹا کملو کے کھلے پن پر فدا ہوگیا تھا۔ اس نے موحد اور وحید کو غور سے دیکھا تھا جو کملو کے بیر بہوٹی بننے پر قطعاً "متوجہ نہیں تھے' اور احد بھی

بڑے اطمینان سے جلیبیاں ٹھونس کر اخبار پڑھ رہا تھا' پھر جانے کملو نے یہ ناز بھری ادا کسے دکھائی تھی؟ "کیا مجھے؟" پپی اس سوچ پر وہ سر تاپا جل کر رہ گیا تھا۔
خوف کے مارے اس سے کچھ سوچا نہیں گیا تھا۔ پھر تھے والے پراٹھے' بھنی ہوئی کلیجی اور اچاری ہانڈی دیکھ کر کوئی سوچ ذہن میں آ نہیں سکتی تھی۔ سو وہ آئمہ کو چڑا چڑا کر اور جلا جلا کر سنہری تھال پر جھپٹ پڑا تھا۔
"یہ سب کچھ لے کر آنا ضروری تھا؟" آئمہ سے برداشت نہ ہو سکا تو پھٹ پڑی۔ اس کی بنائی جلیبیاں ٹھنڈی ہو چکی تھیں۔ جبکہ کملو شان بے نیازی سے فرما رہی تھی۔
"تو کیا خالی ہاتھ آجاتی۔ ایک تو اتنا اچھا ناشتا لائی ہوں' اوپر سے محترمہ کے مزاج نہیں مل رہے۔"
"کون سا میرے لیے لائی ہو۔" وہ واحد کو پراٹھے کھاتے دیکھ کر اور بھی غضب ناک ہو رہی تھی۔ وہ اس کی سنہری شیرے سے بھری جلیبیوں پر کملو کے پراٹھوں کو ترجیح دے رہا تھا۔ آج تک اس کے ہاتھ سے بنی کسی چیز کی اس نے تعریف نہیں کی تھی اور اب کملو کی شان میں قصیدے پڑھ رہا تھا۔
"کملو آپی! آپ کے ہاتھ میں ذائقہ بہت ہے۔" واحد نے اسے مزید سلگایا۔
"اگرچہ نرجس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے' پر آئمہ جیسی کوکنگ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔" احد نے بروقت مداخلت کی تھی۔ اسے اپنے بھائیوں پر ایسے ہی مان نہیں تھا۔ اپنی بہن کی سبکی نہیں ہونے دیتے تھے۔
"ایسی سیاسی تعریف؟ کتنے چالاک ہیں آپ۔" وہ ٹھنکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ادھر احد کے ہونٹوں پر بڑا شگفتہ تبسم نمودار ہو گیا تھا' پھر وید اور موحد بھی دانت نکوسنے لگے تھے۔ واحد ہونقوں کی طرح ان لوگوں کو ہنستا دیکھ رہا تھا اور ان کی باتیں سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ آپس میں معمولی سی نوک جھونک میں مصروف ہو چکے تھے۔

"دراصل احد پریکٹس کر رہا ہے۔ فیوچر میں آئمہ اور کملو نے اسی گھر میں جو رہنا ہے۔ دونوں ہی کوکنگ کی شیدائی ہیں' سو فیوچر میں یہ گھر مچھلی بازار بن جائے گا۔ یہاں کوکنگ شوز ہوں گے' کھانوں کے مقابلے ہوں گے اور سب سے پتلی حالت ان کے شوہروں کی ہوگی۔ کملو پر ترس آرہا ہے۔ مستقبل میں بھی آئمہ نہ اپنے شوہر سے اس کی تعریف ہونے دے گی' نہ اپنے بھائی سے' تو پھر میری ساری ہمدردیاں اپنی "کملو بھابھی" سے ہیں۔"
وید کے مزاحیہ انداز نے آئمہ سمیت سب ہی کو کھلکھلا کر ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ فوراً" ہی کرسی گھسیٹ کر نشو اٹھاتا بھاگ نکلا۔ باہر آکر بھی پیشانی پر اٹڈ آتا پسینہ صاف کرتے ہوئے اسے وید کی بات سوچ کر جھرجھری آرہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ان ہی دنوں کملو اور آئمہ نے ایم بی بی ایس میں شان دار کامیابی حاصل کر لی تھی۔ ان دونوں کا ہاؤس جاب اسٹارٹ تھی اور پورا پورا دن آئمہ گھر میں نظر نہیں آتی تھی۔ مگر جب گھر میں ۔۔۔ ہوتی تو پرانے ہتھیاروں سے لیس میدان میں اتر آتی تھی۔
اس دن بھی واحد پروین سے کپڑے استری کروا رہا تھا' جب آئمہ عجلت میں اس کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر آگئی۔
"پروین! کیا کر رہی ہو تم' نیچے جاؤ۔ ممی بلا رہی ہیں تمہیں۔" اس نے پروین کو نیا حکم نامہ سنایا اور آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے استری پکڑ لی تھی۔
جب واحد واش روم سے نہا کر باہر نکلا۔ پروین کی جگہ آئمہ کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔ اس نے تولیہ بیڈ پر پھینکا۔
"پروین کہاں ہے؟ تم نے میرے کپڑوں کو ہاتھ کیوں لگایا؟" اس نے آئمہ کے ہاتھ سے شرٹ کھینچ لی۔
"ایک تو تمہارے کام کرتی ہوں' مفت میں ہر چیز

کہنے سے پہلے حاضر کر دیتی ہوں' اوپر سے صاحب بہادر کے مزاج ہی نہیں ملتے۔" آئمہ نے اس کے ہاتھ سے شرٹ دوبارہ کھینچ لی۔
واحد نے اس کی استری کی ہوئی شرٹ کو دوبارہ گول مول کر کے اچھال دیا۔ اور ایک دوسری شرٹ بغیر پریس کیے پہن لی۔ آئمہ حق دق سی کھڑی دیکھتی رہ گئی تھی۔
"تم اس قابل ہو ہی نہیں۔۔۔ یہ تو بس میں ہی۔۔۔" جانے غصے سے بولتے ہوئے اس کی آواز اتنی بھرا کیوں گئی تھی یا پھر واحد کو ہی شک گزرا تھا' مگر اس نے آئمہ کی آنکھوں میں چمکیلا پانی بھی اٹڈ تا دیکھا تھا۔ اندر کہیں اسے کمینی سی خوشی سرشار کرنے لگی تھی۔ آخر اس نے بھی اس منہ پھٹ چڑیل کا منہ بند کر ہی دیا تھا۔ پھر تو گویا واحد کے ہاتھ آئمہ کی کمزوری آگئی تھی۔ وہ اسے اکثر ہرٹ کرنے لگا۔
یہ شغل نہ جانے کب تک جاری رہتا' جب ایک روز اچانک ڈیڈی نے پاکستان آنے کی اطلاع دی تھی۔

☼ ☼ ☼

واحد بھی چونکہ فائنل سمسٹر سے فراغت پا چکا تھا۔ اس کا ایم بی اے مکمل ہو گیا تھا۔ سو وہ بھی ان دنوں سارا وقت گھر میں گزار رہا تھا' لیکن اسے حیرت ہو رہی تھی۔ ممی آئمہ کو ساتھ لیے دھڑا دھڑ شاپنگ کر رہی تھیں۔ ان کا زیادہ وقت بازار میں گزر تا تھا۔
اس دن آئمہ کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی۔ جب ٹی وی پر کوئی میچ دیکھتا واحد موقع پا کر اس کے پیچھے کچن میں چلا آیا تھا۔
"کچھ چاہیے؟" اس کی آواز خاصی نرم تھی۔
"نہیں۔۔۔" واحد نے فوراً" نفی میں سر ہلایا۔
"تم سے کچھ پوچھنا تھا؟"
"زہے نصیب۔" آئمہ اس کے الفاظ پر نہال ہوتی گویا پوری کی پوری واحد کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف گھوم گئی تھی۔

"یہ گھر میں آج کل کیا ہو رہا ہے؟" واحد نے کچھ دیر بعد بڑی حیرت سے کہا تھا۔
"کیا ہو رہا ہے؟ تمہیں نہیں پتا' ڈیڈی آرہے ہیں۔" اس کے لہجے میں ہلکی ہلکی خفگی نمایاں تھی۔
"ڈیڈی تو آرہے ہیں۔ یہ ممی کیا کرتی پھر رہی ہیں۔ کیا ڈیڈی کے لیے زرق برق ملبوسات خریدے جارہے ہیں؟" اس کے طنزیہ لب و لہجے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"بھاڑ میں جاؤ تم۔" واحد دانت کچکچا کر پلٹنے ہی والا تھا جب آئمہ ایک دم اس کے سامنے آگئی۔
"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ کہاں جارہے ہو' سنو تو۔" آئمہ نے واحد کا بازو دبوچ لیا۔ وہ اسے منہ لگا کر ہی پچھتا رہا تھا۔
"زرق برق ملبوسات خریدنے کی وجہ پوچھے بغیر ۔۔۔ جارہے ہو۔"
"بتاؤ۔" اس نے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔
"احد اور کملو کی منگنی ہونے والی ہے۔" واحد کا منہ تو مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"احد اور کملو؟ مگر کیسے؟ احد کیسے مان گیا؟" وہ کملو جس کے کملے پن پر آئمہ کے سارے بھائی ایسے ایسے نادر و نایاب جملے کسا کرتے تھے۔ اب اسی کملو سے احد کی منگنی ہو رہی تھی' جو بہت ہی ذمہ دار اور قابل ترین سرجن تھا۔ اگرچہ کملو خوب صورت تھی' تعلیم یافتہ تھی' مگر کچھ بدھو بھی تھی۔ ان سب کے ہاتھوں مذاق کا نشانہ بننے والی کملو' احد کے دل کی مالکن بننے جارہی تھی۔
"احد صاحب کی رضا کے عین مطابق تو ہو رہا ہے۔" اب وہ مسکرا رہی تھی۔
"احد کا دماغ تو نہیں چل گیا۔" واحد نے انتہائی تاسف سے کہا تھا۔
"دماغ ہی چلتا ہے تو محبت ہوتی ہے۔"
واحد ہونقوں کی طرح آئمہ کو برتن دھوتے دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

پھر بہت سارے دن دبے پاؤں گزر گئے تھے۔ واحد کو ڈیڈی کے اچانک واپس آنے کی وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ پھر اس نے یہی خیال کیا تھا کہ وہ احد کی منگنی کے لیے آرہے ہیں۔ مگر ڈیڈی نے یہاں آکر دھماکا کیا تھا کہ وہ تو مستقل واپس آچکے ہیں۔ واحد کے لیے ڈیڈی کا یہ انکشاف انتہائی تکلیف دہ تھا۔ وہ جو یہاں ایک ایک دن گزار رہا تھا کہ ڈیڈی ویزا بھیجیں گے اور وہ امریکہ چلا جائے گا۔ ڈیڈی کی پلاننگ سن کر حواس باختہ رہ گیا۔

ممی کی فیملی اور ڈیڈی نے ہمیشہ اس کے ارمانوں کا خون کیا تھا۔ پہلے ممی نے اسے باہر نہ جانے دیا کہ ایم بی اے کے بعد ہائر اسٹڈیز کے لیے باہر چلے جانا اور اب ڈیڈی اسے خون کے آنسو رلانے پہنچ چکے تھے۔ گویا باہر جانے کا اس کا اکلوتا خواب کانچ کی مانند بکھرنے والا تھا۔

ڈیڈی کی فیملی سے اس کے گھر والے فوراً "گھل مل گئے تھے۔ ممی کی دوسری امی سے خاصی دوستی تھی۔ آج کل دونوں ہی دھڑا دھڑ شاپنگ کر رہی تھیں۔ اپنی نئی امی سے تو اس نے زیادہ بات نہیں کی۔ مگر اپنی چھوٹی بہن سے زیادہ عرصہ دور نہیں رہ سکا تھا۔ کچھ وہ تھی بھی بہت پیاری معصوم اور بے حد محبت کرنے والی۔

"میری کتنی بڑی خواہش پوری ہو گئی ہے بھائی! ہم سب اب ایک ساتھ ہی رہیں گے۔" مائلہ ایک ہزار مرتبہ یہ الفاظ دن میں دہرایا کرتی تھی۔ اگرچہ اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ مگر واحد کے خواب شوق اور خیال کیسے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئے تھے۔

ڈیڈی اپنا بزنس سیٹ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ موحد اور اس کا پیارا دوست اسامہ کاکول سے چند سال پہلے پاس آؤٹ کر کے مختلف شہروں میں تعینات ہو چکے تھے۔ دونوں کے شانوں پر کچھ نئے اسٹارز کا اضافہ ہو چکا تھا اور ایک مرتبہ پھر واحد کی خواہش اور ضد کے سامنے ڈیڈی کی شرط دیوار چین بن گئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے امریکا جانے کے تمام انتظامات کروا دیتا ہوں۔ تاہم میری ایک شرط ہے۔ تمہیں یہاں نکاح یا شادی کر کے جانا ہو گا۔" ڈیڈی نے فیصلہ کن لہجے میں اپنی بات اسے سمجھادی تھی اور امریکا جانے کے لیے تو وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ پھر ڈیڈی کی شرط اتنی بڑی نہیں تھی۔

ڈیڈی نے اسے ریڈنگ روم میں بلوایا تھا اور بہت سالوں سے جمع شدہ ایک ایک بات اس کے کانوں میں انڈیلی تھی۔ ڈیڈی نے اسے بتایا کہ کیسے انہوں نے انتھک محنت کی۔ امریکا میں کتنے دھکے کھائے تھے۔ کتنا ذلیل و خوار ہوتے رہے تھے اور کتنے بے شمار سال بے روزگار بھی رہے تھے۔ وہ اپنی ناتجربہ کاری کے باعث ایک ایکسیڈنٹ کے جرم میں کافی سال جیل بھی رہے تھے۔ تب اس کی دوسری امی نہ جانے کیسے محنت مشقت کر کے وکیل کو دینے کے لیے رقم جمع کرتی تھیں۔ دراصل ممی اور عماز چاچو نے اسے کبھی کچھ بتایا ہی نہیں تھا۔ وہ اسے ہمیشہ "سب ٹھیک ہے" کی خبر دیتے تھے۔ ڈیڈی اس کے لیے بہت بھاری رقم اور تحائف بھیجا کرتے تھے۔ وہ ایسی ہی باتیں بچپن سے سنتا آیا تھا' جبکہ ڈیڈی اب اسے کوئی اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔

ڈیڈی اتنے سال جیل میں رہنے کی وجہ سے پاکستان اس کے نام پھوٹی کوڑی نہیں بھیج پائے تھے۔ وہ اس کی یاد میں تڑپتے رہتے تھے' مگر واپس آ نہیں سکتے تھے۔ اس کی تمام تعلیم و تربیت کا سہرا ممی اور عماز چاچو کے سر جاتا تھا۔ جب وہ شرمندہ ہو کر اپنے بھائی کو فون کرتے تو چاچو الٹا ان سے خفا ہو جاتے۔ واحد انہیں اپنے بچوں سے بڑھ کر عزیز تھا اور اس پر خرچ کرتے ہوئے انہیں قطعاً" پریشانی نہیں ہوتی تھی۔

ڈیڈی نے اسے بتایا تھا۔ اول روز سے لے کر آج تک اس کے بورڈنگ کے اخراجات سے لے کر یونیورسٹی لیول تک کی تعلیم میں انہوں نے ایک روپیہ عماز چاچو کو نہیں دیا تھا۔ ڈیڈی اپنے بھائی کی محبتوں' پیار' احسان' ایثار کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔ وہ اپنے بھائی کے قرض دار تھے۔ وہ ان کی محبتوں کا بدلہ اتار ہی نہیں سکتے تھے۔ بعد میں ان کے حالات بہتر

ہو جانے کے باوجود بھی عماز چاچو نے ان سے واحد پر خرچ کرنے کے لیے کبھی ایک روپیہ نہیں لیا تھا۔

ڈیڈی کی نم آنکھوں میں عماز چاچو کے لیے محبتوں کا جہان آباد تھا۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا؟ مگر اس سے آگے؟ واحد دھیرے دھیرے کھٹک ضرور رہا تھا۔ کہیں دور اسے خطرے کے الارم بھی محسوس ہو رہے تھے۔

پھر کچھ دن بعد اس کے تمام وسوسے اور خدشے ناگ کی طرح پھنکارتے اس کے سامنے آگئے تھے۔

احد اور کملو کے ولیمہ کے فنکشن میں ڈیڈی نے باقاعدہ واحد اور آئمہ کی منگنی کا اعلان کر دیا تھا۔ کوئی شاکڈ ہوا تھا یا نہیں۔ تاہم واحد کی آنکھوں کے سامنے تو زمین و آسمان گھوم گئے تھے۔

اس کی دوسری امی نے آئمہ کو انگوٹھی پہنائی تھی۔ تب وہ کچھ بول نہیں پایا تھا۔ مگر فنکشن کے بعد تو گویا سلطان ہاؤس میں بھونچال آگیا تھا۔

واحد نے ببانگ دہل اعلان کر دیا تھا۔ اسے یہ زبردستی کا رشتہ قطعاً" گوارہ نہیں تھا اور وہ اس جبراً" منگنی کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا تھا۔ مگر ڈیڈی کچھ سننے کو تیار نہ تھے۔

ڈیڈی کے دل میں تو وہ مدتوں سے تھی۔ اس کی دوسری امی اور مائلہ کو بھی آئمہ نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے گھائل کر لیا تھا۔

واحد کی ناگواری' غصہ' ضد' نفرت اور مسترد کرنے کی خبریں سن سن کر بھی بڑی مطمئن تھی۔ یقیناً" اس میں عزت نفس اور انا نام کی کوئی چیز نہیں — تھی۔ ورنہ جتنی دفعہ وہ اسے مسترد کر چکا تھا' اپنی ناپسندیدگی اور غصے کا اظہار کر چکا تھا۔ اب تک تو آئمہ کو چاہیے تھا ہزار مرتبہ اس پر لعنت بھیج دیتی۔ منگنی کی انگوٹھی اس کے منہ پر دے مارتی یا پھر خود ہی انکار کر دیتی۔

واحد نہیں جانتا تھا کہ بچپن سے ایک ہی شبیہ کو دل میں سجانے والی بھلا کیسے ایک ہی جھٹکے سے اس شبیہ کو نوچ پھینک دیتی۔ جبکہ اس کی ماں نے بہت اوائل عمر میں ہی واحد کے حوالے سے کچھ خواب آنکھوں میں سجا دیے تھے۔ کچی عمر کے بڑے پکے خواب تھے۔ بھلا ان کے رنگ کیسے اتر جاتے؟

آئمہ کو پورا یقین تھا۔ وہ صرف امریکا جانے کے لالچ میں اس۔ نام نہاد رشتے کا ہار گلے میں لٹکائے ہوئے ہے۔ امریکا جاتے ہی منگنی توڑنے کا سندیسہ سنا دے گا اور اس کے سارے خدشات اور اندازے تب ثابت ہو گئے تھے جب وہ ایمبیسی کے چکر لگا تا بڑا مسرور تھا اور آتے جاتے آئمہ کو جتلانے سے باز نہیں آتا تھا۔

"جاتے ہی "میم" پھنساؤں گا۔ میرے انتظار میں نہ بیٹھی رہنا۔ میرے نزدیک اس منگنی کی کوئی اہمیت نہیں۔" واحد کے یہ الفاظ اس کی انا پر کاری ضرب تھے۔

آئمہ کو وہ بار بار مسترد کرتا تھا۔ آخر کس بنیاد پر؟ کیا وہ ان پڑھ تھی؟ بدصورت تھی؟ بدکردار تھی؟ جس کو برسوں سے اپنی سوچوں' خیالوں اور خوابوں کی ڈوریں تھما رکھی تھیں۔ آج وہی اسے خاک دھول کر رکھا تھا۔

اس دن بھی صبح صبح وہ اس کے اعصاب پر سوار ہو چکا تھا۔

"جاتے کے ساتھ ہی منگنی توڑ دوں گا تم یہ انگوٹھی اتار کر مائلہ کو دے دینا۔" وہ فریج میں سے جوس نکالتا' ناشتا بناتی آئمہ کے سر پہ ہتھوڑا مار رہا تھا۔ آئمہ کے تاثرات اسے مزا دے گئے تھے۔ اس کی پھیکی پڑتی سفید رنگت اور لرزتی پلکیں' کتنی خوب صورت ساعت واحد کے نصیب میں آئی تھی۔

"کل کے توڑتے آج ہی منگنی توڑ دو۔ میں تو شکرانے پڑھوں گی تم جیسے فضول' بے ہودہ انسان کے ساتھ زندگی ضائع کرنے سے بہتر ہے بندہ کنوارا ہی مر جائے۔" وہ اتنی غصے میں تھی کہ بغیر سوچے سمجھے بولے جا رہی تھی۔ "منگنی تو میں ضرور توڑوں گا' پر ایک مرتبہ امریکہ چلا جاؤں۔" وہ اسے جلا رہا تھا۔

"ہونہہ — امریکا چلا جاؤں۔" وہ اس کے لہجے کی نقل اتار رہی تھی۔ "میرے ساتھ منہ ماری کرو گے تو ڈیڈی سے کہہ کر تمہارا ویزا کینسل کروا دوں گی اور تم

جانتے ہو میں ایسا کر سکتی ہوں۔" اور اس کی دھمکی نے صحیح معنوں میں واحد کا سانس تک الجھا دیا تھا۔ اس کی دھمکی چونکہ محض دھمکی نہیں ہوتی تھی اور وہ عمل کر کے بھی دکھا دیتی تھی۔

"امریکا نہیں جاؤں گا تو مر جاؤں گا — یہ فضول سا رشتہ تو ہر صورت توڑ ڈالوں گا۔" وہ ایک مرتبہ پھر آئمہ کا رنگ بدلتے دیکھ رہا تھا۔

"کہا نا جو مرضی کرو، مگر میری جان چھوڑ دو۔" وہ دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑتی یک لخت کچن سے باہر نکل گئی تھی۔ واحد کو اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں نے ٹھٹکا دیا تھا۔

تو کیا آئمہ کو یہ رشتہ اتنا عزیز تھا یا پھر محض اپنے دھتکارے جانے پر آزردہ تھی؟ یہ سوچ بڑی دیر بعد اس کے ذہن میں آئی تھی۔

مگر وہ ایک مرتبہ پھر تقدیر کے شکنجے میں جکڑا گیا تھا۔ ہوا کچھ یوں کہ بھلے چنگے ایک دم فٹ اور چاق و چوبند ڈیڈی ہارٹ اٹیک کی زد میں آ گئے تھے۔ اگرچہ اٹیک شدید نہیں تھا۔ مگر دوسری امی اور مائلہ سخت ہراساں ہو گئی تھیں۔ اس کے امریکا جانے میں مختصر سے دن رہ گئے تھے۔ مگر مائلہ اسے جانے نہیں دے رہی تھی۔

"ڈیڈی کو آپ کے پیچھے کچھ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے بھائی! آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر مت جائیں۔" فی الحال اس نے امریکا جانا ملتوی کر دیا تھا۔ یہ خبر گھر بھر کو بہت مسرور اور شاد کر چکی تھی۔ گویا سب چاہتے ہی یہی تھے۔

ڈیڈی نہ صرف بیمار ہوئے، بلکہ انہوں نے نوے فیصد اباؤں کی طرح "میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، مائلہ کو اور تمہیں گھر بار والا دیکھنا چاہتا ہوں، وغیرہ وغیرہ۔" رٹ لگا کر اسے عاجز کر دیا تھا۔

ڈیڈی کی یہ رٹ عماز چاچو اور احد کے کانوں تک بھی پہنچ چکی تھی۔ سو وہ ڈیڈی کی خوشی اور خواہش پوری کرنے کے لیے پورے دل سے تیار ہو چکے تھے۔ عماز چاچو نے اپنے خلوص کے آخری ڈونگرے برسا کر ڈیڈی کی اس پریشانی کا بھی گویا خاتمہ کر دیا تھا

اور مائلہ کو موحد کے لیے مانگ لیا۔ جانے چاچو کے بیٹے اتنے فرماں بردار کیسے تھے؟ چاچو نے ایک فون کیا اور موحد کھاریاں سے اڑتا ہوا لاہور پہنچ گیا تھا۔

ڈیڈی کو گویا دو جہان کی خوشیاں مل گئی تھیں۔ ان کی خواہش پر موحد اور مائلہ کا نکاح کر دیا گیا تھا۔ تاہم جب واحد کی باری آئی تو وہ ماش کے آٹے کی طرح اینٹھ گیا۔ اس نے آئمہ سے نکاح کرنے پر طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ وہ منگنی توڑ بھی سکتا تھا۔ مگر نکاح توڑنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"معصوم کا گڈا ہوں میں، جس کا جو دل چاہے گا، میرے بارے میں فیصلہ کرتا رہے گا۔ بچپن سے لے کر اب تک آپ سب کے ناجائز فیصلوں کی بھینٹ چڑھایا گیا ہوں۔ ناک پونچھنے کی عمر میں کالے پانی کی سزا دے دی۔ پر کسی سے کیا شکوہ کروں؟ جب آپ کو ہی میرا احساس نہیں تھا۔"

واحد نے اپنے اندر کے اس زہر کو اگل ہی دیا تھا جو اسے ممی اور عماز چاچو سے متنفر کرنے کا سبب بنا تھا۔ اس کا ننھا ذہن بورڈنگ کی سختیوں کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کے اندر آشیانے سے دور رہنے کی اذیت پلتی رہی تھی، جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ناسور کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ ڈیڈی کے ہزار دلائل ان کی پر اذیت مشقت سے بھری زندگی کے بارے میں سن سن کر بھی اس کا دل نہیں پسیجا تھا۔ ڈیڈی نے تنگ آ کر ساری نرمی، پیار اور حلاوت ایک طرف لپیٹ کر رکھ دی تھی۔ انہوں نے غصے میں غضب ناک ہو کر کہا تھا۔

"میں دیکھتا ہوں امریکا میں بغیر سپورٹ اور پیسے کے تم کیسے رہتے ہو۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ جانوروں کی طرح کام کر کے بھی دو وقت کی روٹی کما نہیں پاؤ گے۔ تم من مانیاں کر کے ضرور پچھتانے والے ہو اور میں تمہیں پچھتاتا نہیں دیکھ سکتا۔"

ڈیڈی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر واحد کا دل بری طرح سے لرز گیا تھا۔ وہ اپنے بیمار باپ کو کتنا پریشان کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا بھی تھا۔ اس کا باپ پردیس

کی مشقت کاٹ کر آیا ہے۔

وہ شرمندہ اور پشیمان ضرور تھا۔ مگر اس پشیمانی اور جذباتی گفتگو کے دوران بھی اس نے دماغ کو حاضر رکھا تھا۔ وہ پھر بھی آئمہ کے ساتھ نکاح کا رسک لینے والا نہیں تھا۔ وہ بہت چالاک، مکار اور چھاچھا کٹنی ٹائپ کی لڑکی تھی۔ اسے نرجس جیسی معصوم، ذرا دبو، تھوڑی کملی اور سیدھی سادی لڑکیاں پسند تھیں۔ اتنے عرصے بعد اسے اب سمجھ میں آیا تھا۔ احد نے کملو کی کس خوبی سے متاثر ہو کر اس سے شادی کی تھی۔ دراصل مرد کو کبھی بھی زبان دراز عورت پسند نہیں آئی۔ منہ پھٹ اور اپنے تئیں حاضر جواب بنتی عورتیں محفل لوٹ سکتی تھیں۔ مگر کسی کا دل نہیں اور آئمہ کی زبان کے جوہر کا وہ خود ہی گواہ تھا۔

وہ اسے لاجواب کر کے جو غرور سے گردن تان لیتی تھی۔ تب واحد کا دل چاہتا تھا اس کی گردن دبوچ کر مروڑ دے۔ وہ لاؤں سے لے جو لگائی یا متوجہ نہیں کرتی تھی۔ محض طنز کے تیر چلا کر اسے آگ بگولا کرتی تھی۔

وہ اپنی خواہش، آرام سے بیان کرتا اور نکاح سے انکار کرتا، تب بات اتنی نہ بڑھتی۔ مگر اس کے انکار نے جہاں ممی اور چاچو کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی وہیں آئمہ بھی بجھ کر رہ گئی تھی اور ڈیڈی نے گویا اسے ہر طرف سے آزادی دے کر اپنے پچھلے رویوں کی تلافی کر لی تھی۔ وہ اسے اپنی طرف سے ہر فیصلے سے آزاد کر چکے تھے۔

پھر وہ مبارک دن بھی آ گیا جب اسے اس حبس زدہ زندگی سے رہائی ملنے والی تھی۔ اسے ممی اور عماز چاچو نے آنسوؤں کے سائے تلے رخصت کیا تھا۔ احد اور واحد نے البتہ خوب ناراضی کا اظہار کیا تھا، جبکہ نرجس عرف کملو نے تمام کھلے پن کو بھاڑ میں جھونک کر اس کے خوب لتے لیے۔ گھر والوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، ہر بندے نے حسب توفیق منہ سجا رکھا تھا۔ البتہ آئمہ ایسے غائب ہو چکی تھی گویا دنیا سے اس کا نشان ہی مٹ گیا تھا۔

وہ روشنیوں اور چمکیلے شیشوں کے شہر نیویارک پہنچ گیا تھا۔ گویا وہ خوابوں کی طلسماتی نگری میں اتر آیا تھا۔ وہ ایک نئی، انوکھی اور الگ سی جگمگاتی دنیا کو دریافت کرنے آیا تھا مگر یہ دریافت اتنی جلدی پچھتاوے میں بدلے گی یہ واحد سلطان احمد کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

شروع کے دو چار مہینے تو بڑے مزے میں گزر گئے تھے۔ ڈیڈی نے اسے خوب رقم دے کر بھیجا تھا۔ اکاؤنٹ بھی ڈالرز سے فی الحال بھرا ابھرا تھا، سو تین، چار مہینے موج مستی میں گزر گئے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ اگلے پچھلے یاد آنے لگے۔ وہ دل بڑا کر کے خود کو خوب دلیر ثابت کرنا چاہتا تھا۔ سو گھر فون کرنے سے پرہیز ہی کرتا رہا۔ ویسے بھی گھر میں اس کا فون سوائے مائلہ، دوسری امی اور ڈیڈی کے کوئی اور سنتا ہی نہیں تھا۔ ممی تھیں جو کبھی کبھار دل کے مجبور کرنے پر اس سے بات کر لیا کرتی تھی۔ تاہم چاچو سمیت احد، وزیدہ، موحد، واحد میں سے اگر کوئی فون اٹھاتا بھی تو سلام دعا سے پہلے ہی مائلہ کو آواز دے کر بلا لیا جاتا تھا۔ تب شاید پہلی مرتبہ واحد کے دل کو دھچکا لگا تھا۔ وہ ان کی بہن کو ہزار مرتبہ ٹھکرا کر آیا تھا۔ ایک سو ایک مرتبہ رد کر چکا تھا، پھر واحد ان لوگوں سے کیسی نرمی کی امید رکھتا تھا؟

تین چار مہینوں میں اسے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ گھر والوں کی محبتوں کے بغیر پردیس میں کیسے رہا جاتا ہے۔ اگر ممی نے اسے بورڈنگ بھیجا بھی تھا تو ہر دو ہفتے بعد اس سے ملنے پورا "کنبہ" پہنچ جاتا تھا۔ اگرچہ بظاہر برے دل کے ساتھ کرتا تھا مگر لاشعوری طور پر "اپنوں" کی آواز سن کر وہ اندر تک پرسکون اور سرشار ہو جاتا تھا۔

کبھی اس کا دعوا تھا وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے والوں میں سے نہیں۔ اب جانے کیوں مڑ مڑ کر کس آس پر دیکھا کرتا تھا۔ کبھی ماضی کی کھڑکی کھول لیتا۔ تب اسے کیڈٹ کالج کر گر کمار کے ہر بلاک کے ہر دریچے میں

کھڑا ایک خفا خفا لڑکا دکھائی دینے لگتا تھا اور اس دیران پریشان اپنے گھر سے دور اپنوں کی یاد میں اداس اور غم زدہ ممی کو اور اپنے گھر کو کہیں دور اندر خاموشیوں میں' رات کی تاریکیوں میں خود سے بھی چھپ کر یاد کیا کرتا تھا۔

پھر اسی کالج میں اس نے سب سے زیادہ آئمہ کو یاد کیا تھا چاہے برے الفاظ میں ہی سہی۔ وہ کسی بھی اتوار اسے فون کرنا نہیں بھولتی تھی مگر وہ اسے فون کرتا کیوں نہیں بھولتی تھی؟ یہ تب وہ نہیں سمجھتا تھا۔ یہ سب اب لاکھوں میل دور بیٹھ کر سوچ رہا تھا۔

اس کا دل یہاں آکر من پسند خواہش' خواب کی تعبیر پاکر بھی ناخوش تھا۔ کٹی بندھی سی ایک روٹین تھی' یونیورسٹی سے اپنے فلیٹ تک۔ اسے یہاں کام نہیں کرنا پڑتا تھا کیونکہ ڈیڈی اکاؤنٹ ہر مہینے بھر دیتے تھے مگر وہ آسائشات پاکر بھی خوش نہیں تھا' اسے لگتا تھا اس کی ذات کا ایک بڑا حصہ کہیں گم ہو گیا ہے کہاں گم ہوا تھا۔ یہ چیز وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس کی ہر سوچ لہراتی' بل کھاتی' اٹھلاتی ہوئی اس منہ پھٹ بدلحاظ لڑکی کے اردگرد گھومنے لگتی تھی۔ وہ کتنا احمق' کم فہم اور بدنصیب تھا جو محبتوں سے دور بھاگتا تھا۔

جب اس کا زیادہ دل گھبرانے لگتا تب وہ اسامہ کو کال کرلیتا تھا اور وہ اسے تنگ کرنے کے لیے' چھیڑنے کے لیے اور بہت کچھ جتلانے کے لیے طعنوں سے لپٹے گیت سناتا تھا۔

تیرا گھربار یہاں
تیرے سب یار یہاں
تیری راہوں میں کھڑا
تیرا پیار یہاں
سب کچھ ہے تیرے دیس میں
تو ڈھونڈے کیا پردیس میں۔

فلیٹ کی تنہائی اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ یہاں اس کی دلچسپیوں کے کئی لوازمات تھے مگر وہ دلچسپی لیتا تو تب نا۔

ممی بغیر کسی صلے کے' اس پر اپنی بے لوث محبتیں نچھاور کرتی رہی تھیں اور پھر ڈیڈی سے رقم لیے بغیر اتنے مہنگے ترین کالج میں محض اس کی شخصیت بنانے کے لیے داخل کروانا کیا کم تھا؟

اسے آئمہ بھی کبھی بھولی نہیں تھی۔ خصوصاً" گھر کی صفائی کرتے ہوئے' گارڈننگ کرتے ہوئے' کپڑے پریس کرتے ہوئے' جوتے پالش کرتے ہوئے اور برتن دھوتے ہوئے۔ وہ کھانا بناتے ہوئے اکثر روپڑتا تھا۔

ڈیڈی صحیح کہتے تھے' زندگی یہاں بہت مشکل تھی۔ وہ اکثر ڈیڈی سے بات کرتے ہوئے بھرا جاتا' دوسری طرف بھی اسے واپس آنے کو کہتیں۔ ممی نے کبھی آنے کے لیے اصرار نہیں کیا تھا تاہم وہ ان کے بن کہے بھی جانتا تھا کہ ممی کا رواں رواں اس کی واپسی کا منتظر ہے۔

اس کی حقیقی ماں تو وہی تھیں۔ اسے راتوں کو جاگ جاگ کر لوری سنانے والی اور واحد کتنا ذلیل تھا جو ممی کے منہ پر کہہ آیا تھا۔

"آپ پالنے پوسنے کا خراج مانگتی ہیں۔ آپ کی پائی پائی لوٹا دوں گا مگر اپنا آپ عمر بھر کے لیے گروی نہیں رکھ سکتا۔"

اس کے یہ لفاظ ممی کو پتھر کر گئے تھے پھر آئمہ اور ممی کی طرف سے کوئی اصرار نہیں ہوا تھا۔ وہ دونوں گویا اندر سے بجھ گئی تھیں۔ انہیں ایسی سفاکی کی اور ایسی بے رحمی کی امید ہرگز نہیں تھی۔

اسامہ اسے سمجھاتا بھی تھا کہ وہ وقت ضائع کرنے سے پہلے دیر ہونے سے پہلے اپنے گھر لوٹ آئے مگر واحد بھلا کس منہ سے واپس جاتا؟ اتنے لوگوں کے دلوں کو روند کر' دل دکھا کر آیا تھا پھر کیسے پلٹ جاتا۔ اذیت سی اذیت تھی۔ اور اس اذیت کا خاتمہ ہونے کے بجائے درد کا ایک اور نیا طوفان اٹھ آیا تھا۔ جب اسے مائدہ کے توسط سے اطلاع ملی تھی۔

"آئمہ کے کئی پروپوزل آئے ہیں اور ممی ان دنوں اس کے لیے کسی پروپوزل کو فائنل کرنے والی ہیں' وہ آپ کی خاطر آئمہ کو کب تک بٹھا سکتی ہیں۔" واحد تو گویا اس انکشاف پر سرتاپا ہل گیا تھا۔ تو گویا کیڈٹ کالج کلر کہار سے لے کر امریکا تک اس کی یادوں میں بسنے

والی آئمہ کسی اور کی ہونے والی تھی۔

وہ اس کی منگیتر تھی۔ احد کے ولیمہ پر آئے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں اس کے نام کی انگوٹھی آئمہ کو پہنائی گئی تھی۔ تو پھر ممی کسی اور جگہ آئمہ کا رشتہ کیسے کر سکتی تھیں؟

اس پل وہ اپنی سابقہ بکواس یکسر بھلا چکا تھا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ آئمہ پرائی ہونے جارہی تھی۔ اس کی زندگی سے نکلنے والی تھی۔ مگر آئمہ اس سے دور کیسے جاسکتی تھی؟ وہ تو واحد سے محبت کرتی تھی۔

"محبت۔" واحد۔ ٹھٹک گیا تھا۔ بھلا محبت یہاں کہاں تھی؟ یہاں تو صرف جھگڑے تھے' تکرار تھی' لڑائیاں تھیں' غصہ تھا۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی سازشیں تھیں۔ محبت بھلا کہاں تھی؟

پھر کوئی واحد کے اندر سے پکار پکار کر چیخ اٹھا' ان لڑائیوں میں' ان جھگڑوں میں' اس تکرار میں' اس خیال کرنے کے انداز میں' ان فون کالز میں' تازہ بنائے ان پکوانوں میں۔ محبت ہی تو تھی۔

وہ ہر دوسرے اتوار اس کے کالج میں بھائیوں کے ہمراہ پہنچ جاتی تھی۔ یہ سب محبت کے اسلوب ہی تو تھے۔

اس نے کئی مرتبہ اسے جتلایا تھا تم عزیز ہی بہت ہو' پیارے ہی بہت ہو۔ بھلا ان لفظوں کا مفہوم کیا تھا۔

☼ ☼ ☼
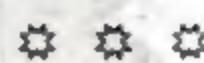
"کچے دھاگے سے بندھے سرکار چلے آئے ہیں یا نہیں۔"

نرجس عرف کلو اپنے سابقہ تمام کھلنڈرے پن بھول کر بڑے فخر سے کچن میں کھڑی اپنی ذہانت کو داد دے رہی تھی۔

"دیکھ لو' میرا اندازہ کچھ غلط نہیں تھا۔" وہ ابھی تک اترا رہی تھی۔

"میں نہ کہتی تھی' تمہارے پروپوزل کی خبر اس کے ہوش اڑا دے گی۔ ایسے بے نیاز لوگوں کو اسی طرح آزماتے ہیں۔"

اس کا سابقہ جوش بھرا انداز قائم دائم تھا۔ یہ کلو اور مائدہ کی ہی کارستانی تھی کہ واحد اپنا سمسٹر چھوڑ کے ممی جھونک آیا۔

"خبر میں رات سے سن رہی ہوں مگر اس کے باوجود ہر کوئی مجھے خصوصی طور پر بتانے ضرور آتا ہے' خیر ہے؟"

وہ ٹھنک کر کہتی کچن سے نکل گئی۔

اور وہ۔ وہ رات بھر اپنے ڈیڈی اور ممی کے پیر پکڑے ایسی ایسی منتیں کررہا تھا کہ کلیجے تھام رہے تھے۔ وہ کتنا اکھڑ اور بدلحاظ تھا۔ وہ جان سے بڑھ کر پیار کرنے والی ممی سے بھی بدظن تھا۔ چچا زاد بھائیوں

سے بھی دور ہو گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کو بھی چھوڑ گیا تھا۔ اسے اپنے ہر ہر عمل پر شرمندگی تھی۔

"پیاری ممی! مجھے معاف کر دیں حالانکہ معافی لفظ چھوٹا ہے۔ میری بے ہودگیاں اور بدتمیزیاں بہت بڑی اور بھاری ہیں۔ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ ہمیشہ آپ کے لیے غلط اور الٹا سوچا۔ آپ نہیں جانتیں ممی! ان آٹھ مہینوں میں کس کس یاد نے مجھے رلایا ہے۔

ممی! میں اپنا احتساب کرنا چاہتا تھا۔ میں اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنا چاہتا تھا اور پھر خود کو ہر کدورت سے پاک کر کے آپ کا سامنا کرنا چاہتا تھا۔

میں جتنا بھی غور کرلوں، سوچ لوں تب بھی اپنی بدگمانی کی ایک بھی ٹھوس وجہ سمجھ نہیں آتی سوائے اس کے کہ پہاڑوں میں بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ تو بدگمان ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی اور میں خواہ مخواہ اتنے سال آپ سے بدگمان رہا۔ آئمہ کی محبت کو نہ سمجھ پایا۔ وہ تو جانے کب سے مجھے چاہتی تھی۔ بس میں ہی الو، احمق، بے وقوف اور بدھو سمجھ نہیں پایا۔ ممی! یہ آئمہ کی محبت ہی تو تھی جو وہ مجھے اس طرح۔"

بہت بھرائی آواز میں اتنی طویل گفتگو کرتے واحد کے بازو میں کسی نے بہت زور سے چٹکی کاٹی تھی مگر وہ پھر بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔ تب کسی نے اس کے پیر پر اپنا پیر بہت زور سے مارا تھا۔ تب واحد بات ادھوری چھوڑ کر سر اٹھائے اپنے برابر کھڑے احد، ودید اور موحد کو دیکھ رہا تھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں جانے کب سے اسے سرزنش کر رہے تھے مگر جب واحد نے دھیان نہیں دیا تب احد نے اس کے بازو میں چٹکی کاٹ کر اور ودید نے پیر مار کر احساس دلانا چاہا تھا۔

"بدھو، احمق گدھے! ایسی باتیں پیرنٹس کے سامنے نہیں کرتے۔ آئمہ کی محبت لاحول۔"

موحد گویا اپنا ماتھا پیٹ رہا تھا۔ اسے احمق، عقل سے پیدل اور جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ تب وہ ممی، چاچو، ڈیڈی اور دوسری امی کی ہلکی ہلکی ہنسی کی آواز سن کر سخت جھینپ گیا تھا۔ روانی میں وہ کیا کچھ بول چکا تھا۔

اسے سخت شرم اور خفت محسوس ہوئی تھی سو وہ فوراً ہی اٹھ کر اندر کی طرف بھاگا۔

جہاں نرجس بھابھی عرف کملو کھڑی پتھر کے مجسمے میں ڈھل بس گرنے کے قریب تھی۔ دراصل آئمہ کے ان الفاظ کو سن کر۔

"بھاڑ میں جائیں سارے اقوال۔ ذرا اپنے اور میرے دشمن کو بتا آؤ۔ میں دس ماہ پہلے جوڑے گئے اس رشتے کو خود توڑ رہی ہوں۔"

کملو نے پتھر کی مورتی میں ہی ڈھلنا تھا۔

"تم معافی کس چیز کی معافی مانگ رہے ہو؟ آخر تم نے غلطی کون سی کی ہے؟ صرف مجھے مسترد کیا ہے؟ دھتکارا ہے اور یہ کوئی بڑی غلطی نہیں جس کی معافی مانگ رہے ہو۔ تم نے اپنا حق استعمال کیا ہے۔"

"میں اسی "بکواس" کی معافی مانگ رہا ہوں۔" وہ یکایک سنجیدہ ہو گیا تھا۔ "قسم سے! تمہیں دل سے مسترد نہیں کیا بس میں نے تب تمہارے بارے میں سوچا نہیں تھا۔ مشرقی لڑکا تھا نا۔ ممی کے اصول، قاعدوں اور قوانین میں تربیت پا کر بڑا ہونے والا پھر کیسے بے حیائی کا مرتکب ہو جاتا۔ کسی کی بیٹی کو تاڑتا پھرتا۔ منگنی سے پہلے اور منگنی کے بعد بھی فطری سی شرم مجھے اعتراف کے مرحلوں تک لے جانے سے گھبراتی تھی حالانکہ تم سے محبت تو میری گھٹی میں پڑی ہے۔ تمہارے سر کی قسم! ایسے گھور گھور کے تو نہ دیکھو۔"

واحد نے اداکاری کے اگلے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے۔

"میرے ساتھ چال چلنے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہاری نیت کے کھوٹ سے واقف ہوں۔ اور یہ ڈرامے کرنے کی بھی ضرورت نہیں، ممی اور سب لوگ تمہاری غلطیوں کو درگزر کر چکے ہیں۔ تمہارا سابقہ مقام بحال ہو گیا ہے۔۔۔ تم اطمینان رکھو میں منگنی کی انگوٹھی ڈیڈی کو واپس کرنے والی ہوں۔"

واحد کے خاموش ہوتے ہی آئمہ نے اپنے اگلے خطرناک ارادوں سے بھی اسے باخبر کر دیا تھا۔ تو گویا وہ اسے معاف کرنے پر تیار نہیں تھی۔

واحد کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔

"کل تم مجھے مسترد کرتے تھے۔ آج میں تمہیں مسترد کرتی ہوں۔"

واحد کے چہرے پر پھیلا دھواں دیکھ کر دل کو کتنی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ آئمہ لمحوں میں ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ مگر یہاں تو کایا پلٹ چکی تھی۔

"تو تم مجھے مسترد کرتی ہو، محض اس لیے کہ میں نے تمہیں اپنی کم فہمی میں بہت بے ہودہ الفاظ سے نوازا ہے۔ میں نے تمہاری ذات کو تو کبھی بھی رد نہیں کیا۔ میں تو صرف تمہاری سوچ اور تخریبی ذہن سے خار کھاتا تھا۔"

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اور کس طرح آئمہ کے دل کی ساری بدگمانی دھو ڈالے۔

"اپنا اور میرا وقت فضول تکرار میں ضائع مت کرو۔ ویسے بھی تم نے تو امریکا جا کر "میم" پھڑکانی تھی۔ اور پھر اس نام نہاد منگنی کو بھی توڑنا تھا۔ میں تو تمہارے اس فون کا انتظار کر رہی تھی مگر تم خود شرمندگی کی بوری اٹھائے بھاگ آئے۔"

آئمہ نے بہت واضح طور پر واحد کی آنکھوں کے گوشے بھیگتے دیکھے۔

"میں تو شروع سے تمہارے حصار میں ہوں۔ وہ برا حصار تھا یا اچھا۔ مگر کالج کا چپہ چپہ گواہ ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہیں یاد کیا۔ تمہاری لگائی بجھائی کو، شرارتوں کو، شاطرانہ چالوں اور منصوبوں کو، تم کیسے اور کس طرح ممی سے میری چھترول کروایا کرتی تھیں، پھر تمہاری ڈرامے بازیاں، جو دراصل تمہاری محبتیں تھیں جنہیں میں عموماً چالاکی، مکاری ہی سمجھتا تھا۔ میں کتنا کم فہم تھا۔ کتنا بے عقل تھا۔"

واحد کی آواز زیادہ بھرا گئی تو وہ چپ ہو گیا تھا۔ کیونکہ اب آئمہ کے بولنے کی باری تھی۔ اور اس کا لہجہ پہلے سے کچھ مختلف ہو گیا تھا۔ ذرا نرم اور ہلکا پھلکا۔

"اچھا! اب زیادہ جذباتیت کا مظاہرہ نہ کرو۔ میں کتنا کم فہم تھا، کتنا بے عقل تھا۔" وہ اس کے لہجے کی نقل اتار رہی تھی۔ "تم اب بھی کم فہم اور بے عقل ہو۔"

اسے شدید غصہ آتے آتے رہ گیا تھا۔ وہ مزید اس پر غصہ کر ہی نہیں سکتی تھی۔

"جو مرضی کہہ دو، پر معاف ضرور کر دو۔ کیونکہ میں تم سے شادی کرنے کے بعد بہت اچھا فرماں بردار قسم کا شوہر بننے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

آئمہ کے چہرے پر یکایک پھیلی نرمی کو محسوس کر کے واحد کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ تو گویا وہ اپنا مقدمہ جیتنے کے قریب قریب پہنچ گیا تھا۔ ویسے بھی یہ "مقدمہ دل" تھا، ہار جاتا تو پھر کہاں جاتا؟

"تم بے شک ایسے ہی منہ پھٹ، بدلحاظ اور بدتمیز ہی رہنا لیکن۔ مگر یہ رشتہ نہ توڑنا۔"

حالانکہ وہ مسکرانا نہیں چاہتی تھی مگر ہونٹ تھے کہ کھلے ہی جا رہے تھے اور ناراضی تھی کہ ختم ہی ہوتی جا رہی تھی۔

"سو دفعہ بھئی اب "کروں گی" ہی مانوں گی۔ اتنی آسانی سے تمہاری "بکواس" بھلانا ممکن نہیں۔"

"سو دفعہ نہیں "ایک سو دو دفعہ" کروں گا۔ مگر مجھے ذرا اس خوش خبری کا اعلان کر لینے دو۔"

باچھیں چیر کر بولتا ہوا وہ دوسرے ہی لمحے کچن سے نکلا اونچی آواز میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اکلوتے دوست اسامہ کو فون کھڑکانے جا رہا تھا کہ اس نے دل کا ہارا ہوا مقدمہ جیت لیا تھا۔

ادھر آئمہ سوچ رہی تھی۔ وہ محبت ہی کیا جو دلوں کو تنگ کرے اور انا کی فصیلیں کھڑی کرے۔ رشتوں کو جوڑنے کے بجائے توڑے۔

اس نے اپنے دل کو وسیع کر کے واحد کی پچھلی غلطیوں کو معاف کر دیا تھا۔ اور وہ واحد کی آئندہ زندگی میں سرزد ہونے والی غلطیوں کو بھی درگزر کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی۔ انسانی فطرت کبھی بدل نہیں سکتی واحد اچھا خاصا جھگڑالو، بدلحاظ اور منہ پھٹ تھا اور ایسی خوبیوں سے آئمہ بھی مبرا کہاں تھی؟ مگر فطرتاً وہ دونوں ہی خیال کرنے والے اور محبت کرنے والے تھے۔

☼